

مارچ ۲۰۱۷ء

ماہنامہ شعاعِ عمل لکھنؤ



قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
سُورَةُ الْبَقَرَةِ آيَةُ ۱۷۷

اللہ اکبر
الحمد لله
سبحان الله



نور ہدایت فاؤنڈیشن، حسینہ غفران مااب، چوک، لکھنؤ-۳

R.N.I NO. UPBIL/2004/13526

Postal Regd. No. SSP/LW/NP-75/2017-19 Dispatch Date: 2 & 6 of Every Month

Annual Rs. 200/-

March 2017

Per Copy- Rs.25/-

شُأ-ا-امال

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका लखनऊ



آقائے قوم قدوة العلماء آیۃ اللہ العظمی سید آقا حسن نقوی اکمل جاسی غفران مکان
بانی آل انڈیا شیعہ کانفرنس و شیعہ کالج و شیعہ یتیم خانہ و شیعہ بیت المال، لکھنؤ

ولادت ۶ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء وفات پنجشنبہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء

SHUA-E-AMAL

Lucknow



NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION

Imambara Ghufraan Maab, Chowk, Lucknow-3 (U.P.) INDIA, Ph.:0522-2252230

مذہب اور عقل

مذہب ایک روشن حقیقت ہے جس کا جلوہ ”عقل“ کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آئینہ دھندلا نہ ہو۔ ورنہ اپنی کدورت سے چہرہ کو داغدار بنائے گا۔ عیب اس کا ہوگا۔ حقیقت پر حرف آئے گا۔ منشاء یہ ہے کہ مذہب پر صحیح عقل کی روشنی میں تبصرہ کیا جائے اور پاکیزہ اسلام غلط توہمات اور باطل اعتراضات سے بری ہو جائے۔ بالکل سچا اور بے عیب نظر آئے اور عقل و مذہب کے تفرقہ کا خیال برطرف ہو۔ کیونکہ عقل و مذہب میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مذہب عقل کو آواز دیتا ہے اور عقل مذہب کو ثابت کرتی ہے۔ مگر عقل اور وہم میں مدتوں سے کاوش چلی آتی ہے۔ ”وہم بھیس بدل بدل کر عقل کے راستے سے ہٹاتا رہتا ہے۔ پہلے بھی کدھی، اب بھی ضد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے توہمات جہالت کے دور کی پیداوار تھے اس لئے ان کا پردہ جلدی چاک ہو جاتا تھا۔ اب ”نئی روشنی“ کے علمی پسندار کا نتیجہ ہیں جب کہ سائنس بڑی ترقی کر گیا ہے اس لئے ملین بہت اچھا ہونے لگا۔ ایسی ٹیشن ایسا تیار ہوتا ہے کہ اصل اور نقل میں تمیز دشوار ہوتی ہے۔

کوٹو جم اصلی گھی کو مات کر رہا ہے۔ اسی بھاؤ بکتا ہے۔ اب کہیں اصلی گھی ہے بھی تو اس کی قدر و قیمت رائگاں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

حکومتیں زیادہ تر عقل و مذہب کے ہمیشہ سے خلاف رہیں کیونکہ یہ دونوں حکومتوں کے ظلم و استبداد اور من مانی کاروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں مگر مذہب کو اپنی طاقت پر ہمیشہ بھروسہ رہا اسے جتنا مٹایا گیا اتنا نمایاں ہوتا رہا۔ یہ اس کی فطری سچائی کا کرشمہ ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے چمک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

عقل ہر چند جھوٹ اور مبالغہ کی گنجائش مطلق نہیں رکھتی مگر وہم اکثر عقل کا سوانگ بھر لیتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو عقلائے زمانہ عقلی باتوں میں مختلف نہ ہوتے اور آپس میں کبھی دست و گریباں نہ ہوتے۔ بدیں وجہ خدا، رسول، کتاب، روح، عقائد اور مراسم میں مذہب اور عقل کے سچے فیصلے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ توہمات کو دخل در معقولات کا موقع نہ ملے۔ بے شک رواہم جو اکثر آس پاس کی قوموں کی دیکھا دیکھی رواج پا چکے ہیں وہ آج فضا میں بدنما، ترقیوں کو مانع، مذہب کو نقصان رساں، عقل کے رہزن، حیثیت کے دشمن ہیں۔ ان کو بدلنا ضروری ہے۔

(آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ)

اسلام اور طبقاتی نظام

لوگوں نے اسلام کو سمجھنے کی بالکل کوشش نہیں کی ہے جن کا خیال ہے کہ وہ نوع انسانی کو ہمیشہ دو طبقوں میں منقسم دیکھنا چاہتا ہے: اغنیاء اور فقراء۔ قانون اسلامی میں کوئی ایسی دفعہ نہیں ملتی ہے جو جامعہ مسلمین میں طبقہ فقراء کی موجودگی لازمی قرار دے جن کی گزر بسر اموال خمس و زکاة کے ذریعے ہو۔ اس کے برعکس اسلام کے نظام اقتصادی کی تدوین ایسے حکیمانہ انداز سے کی گئی ہے کہ اس کے نفاذ و اجرا کے بعد فقیر نظر آنا ممکن نہیں ہے۔

تاریخ اسلام فخر کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت و حکومت کی طرف دعوتِ نظر دے رہی ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب یحییٰ بن سعید نے افریقہ سے اموال زکاة وصول کر کے انھیں مستحقین پر تقسیم کرنا چاہا تو پورے عالمِ اسلام میں ایک بھی فقیر دستیاب نہیں ہو سکا؟ فقیر سرے سے ناپید ہونے کی وجہ سے یحییٰ بن سعید کو یہ اموال غلام آزاد کرانے میں صرف کرنا پڑے۔ اسلامی نظام تمدن میں کسی ایسے طبقے کا وجود ضروری نہیں ہے جس کا مستقل ذریعہ معاش خمس و زکاة کے اموال ہوں۔ بے شک چونکہ فقر و احتیاج ہمہ گیر بیماری ہے جس کا حملہ دنیا کے ہر سماج پر کبھی نہ کبھی ہوتا ہے، لہذا ایک دانش مند، دستور ساز اور مدبر قانون گزار کی دوراندیشی کا تقاضا ہے کہ وہ اس مہلک مرض کے مقابلے کے لیے احتیاطی تدابیر میں فرو گذاشت نہ کرے۔

دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام زمان و مکان کے حدود سے بالاتر پیغام کا نام ہے۔ اس کے دروازے ابدی طور پر ہر بشر کے لیے پاٹوں پاٹ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ دنیا کی ہر فرد اور ہر جماعت کو اپنے دائرہ ہدایت میں آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اسلام کوئی ساکن اور جامد مذہب نہیں ہے۔ وہ ایک متحرک تبلیغی مشن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے دائرہ اثر میں آنے والے اپنی منظم اور مرتب زندگی کو بگاڑ کر ایک نئے دورِ حیات میں قدم رکھتے ہیں۔ اس تازہ داخلی خارج کی وجہ سے ان کے معاشی اور اقتصادی حالات کا دگرگوں ہو جانا ضروری ہے۔ اسلام مجبور ہے کہ خمس و زکاة کے قانون کو دائمی اور مستمر قرار دے۔ وہ اس کے توسل سے اپنے دائرہ ہدایت میں داخل ہونے والوں کی اقتصادی حالت پر قابو پا کر انھیں تدریجاً اس مثالی معیار پر لانا چاہتا ہے جہاں عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں مسلمان نظر آتے ہیں۔

(رئیس العلماء آیت اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ، علی گڑھ)

فہرست مضامین

(مارچ ۲۰۱۷ء / جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ)

مجلس ادارت

ڈاکٹر امانت حسین نقوی

عمیل شمسی

واصف احمد نقوی 'سمیر'

شاہد علی اعظمی

ذوالفقار حیدر اعظمی

الحاج مرزا ہمایوں قدر

ڈاکٹر عارف عباس

ریحان عالم لکھنؤ

بنت زہراء ندی الہندی

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	(اداریہ)	م۔ر۔عابد	۵
۲	اثبات پردہ (قسط-۲)	آیت اللہ العظمی سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی	۶
۳	مقتل الحسینؑ عقبہ بن سمعان۔۔۔	علامہ سید محمد بنی حسن صاحب قبلہ کامونی پوری	۱۹
۴	مرثیہ در حال حضرات عونؑ و محمدؑ (بند ۱۵۲)	سلطان الشعراء مولانا سید محمد کاظم جاوید اجتہادی	۳۸
۵	خبرنامہ	(ادارہ)	۵۷

ظفر حسین رضوی بیورو چیف ممبئی

عرفان حیدر، بیورو چیف مدھیہ پردیش

کیف نقی نقوی، بیورو چیف دہلی

R.N.I. NO.

UPBIL/2004/13526

Postel Regd. NO.

SSP/LW/NP-75/2017-2019

WEBSITE:

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

E_mail:

noorehidayat@yahoo.com

noorehidayat@gmail.com

زرسالانہ

ایک سال کے لئے: -/200

پانچ سال کے لئے: -/800

لائف ممبر شپ: -/5000

ماہنامہ

‘شعاع عمل‘

(ہندی وارڈو)

‘خاندان اجتہاد نمبر‘ روزنامہ نقیب لکھنؤ

اور نور ہدایت فاؤنڈیشن کے تمام مطبوعات ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

لاگ آن کریں ہماری ویب سائٹ

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

ماہنامہ ‘شعاع عمل‘، لکھنؤ

مارچ ۲۰۱۷ء

مقتل نگاری

عربوں کو آقا یان تاریخ (Masters of History) کہا گیا ہے اس کی وجہ ہے کہ انہوں نے حدیث و سنت رسولؐ میں بہت ہی شغف و انہماک کا مظاہرہ کیا۔ یہ دراصل فروغ و حفاظت اسلام کی راہ میں قدرت کا انتظام اور حضرت ختمی مرتبت کی تربیت کا کمال تھا کہ صحابیت کو ادارہ کی شکل میں اسلام کا پیامی بنادیا گیا۔ (یہاں خالص و محترم صحابیت کی بات ہے، صحابیت کی نقاب میں منافقت اور شیطانی منصوبہ کا حصہ بننے کی بات نہیں۔) اسی ضمن میں تاریخ بھی مرتب ہوتی گئی۔ یہ سلسلہ صحابیت کے بعد اسی انداز سے جاری رہا۔ علم سینہ کے ساتھ ساتھ قلم کی بھی خاص مدد لی گئی۔ اسی تاریخی شعور و انہماک نے عربوں کو یہ خطاب دلایا۔

دور زماں میں معرکہ کر بلا جیسا پروردگار نے عوام و خواص میں کر بلا کا ذکر خاص موضوع سخن بن کر عام ہو گیا۔ اسی نے انقلابی تحریکوں کی بنیادیں ڈالی۔ اس ذکر کے دو متضاد رخ رہے۔ حکومت کی طرف سے اپنے تشدد پسندانہ استیصالی حربہ کی دھونس جمانے اور اپنی مبینہ کامیابی کا بکھان کرنے کے انداز میں اس ذکر کا سہارا لیا گیا۔ دوسری جانب عوام کی سطح پر انقلابی تحریکوں کی تقویت اور مظلومیت کی حقیقی فتح کی نغمہ سرائی کے انداز میں اس ذکر کو باقی رکھا گیا۔

اسی ضمن میں تاریخ نگاری کے چمن میں ایک کونیل پھوٹی یعنی مقتل نگاری کی بنیاد پڑی جو بعد میں ایک توانا روایت کی صورت میں فروغ پائی۔ بہر حال اصل مقتل نگاری پر مذکورہ دونوں رخ متفق ہو گئے۔ جو بھی ہو مقاتل تاریخ کر بلا کے اہم بنیادی ماخذ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ معرکہ کر بلا کے بارے میں جو بھی ہماری تاریخی معلومات ہیں وہ زیادہ تر انہی مقاتل کی مرہون منت ہیں۔

زیر نظر شمارہ میں ایک مقتل (عقبہ بن سمان) پر پر مغز تحقیقی مقالہ شامل ہے۔ فاضل و مقالہ نگار ہیں علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری ان کی شخصیت اور تاریخی بصیرت محتاج تعارف نہیں ہے۔ انہوں نے متعدد مقاتل پر اپنے تحقیقی و تجزیاتی مقالے سپرد قلم کئے۔ جن میں سے کچھ شعاع عمل کی زینت ہو بھی ہو چکے۔

م۔ ر۔ عابد

اثباتِ پردہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

نظر کا پردہ اور اسلامی احکام

پردہ کی پہلی قسم نظر کا پردہ ہے۔ اس کے بارے میں قرآن نے صاف طور پر حکم دیا ہے بلکہ اس سے مرد اور عورت کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ ایک طرف مردوں کے لئے حکم دیا:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم و یحفظوا فروجهم ذلک ازکی لہم واللہ خبیر بما یصنعون۔
(سورہ نور، ۳۰)

”اے رسول! ایمان لانے والے مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے اور اللہ ان کے کردار سے خوب واقف ہے۔“

اس میں مردوں کو اجنبی عورتوں پر نگاہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بلا استثناء جس کے ساتھ اعضائے جسم کی کوئی تخصیص بھی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ غیر عورت کو دیکھنا نہیں چاہئے اور چونکہ کسی کو دیکھنے سے متبادر جو مفہوم ہے وہ اُس کے چہرہ پر نظر کرنا، اس لئے چہرہ سب سے پہلے اس حکم میں داخل ہوگا۔

”یہ نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے۔“ اس سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ نگاہوں کا غیر عورت پر پڑنا نفس میں طرح طرح کی بری نیتیں پیدا ہونے کا باعث ہے اور اس لئے چشم پوشی کو لازم قرار دیا ہے۔

پھر لطیف عنوان سے یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تم اس بارے میں لوگوں کی نگاہیں بچا کر اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو تمہاری اس ”دزدیدہ نگاہی“ سے دوسروں کو اطلاع ہو یا نہ ہو مگر اللہ تو ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لئے اس کے سامنے تمہیں نگاہوں کے محاسبہ کے لئے تیار ہونا چاہئے۔

پھر یغضوا من ابصارہم کو و یحفظوا فروجہم۔ کے ہمدوش کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ نگاہوں کا تبادلہ اکثر ”جنسی گناہ“ کے عمل میں آجانے کا سبب بن جاتا ہے اور اس لئے نظر کا کسی پر پڑنے نہ دینا اپنے کو اس جنسی گناہ (ارتکابِ زنا) سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ہمارے استاد علام جناب سید باقر صاحب طاب ثراہ نے پردہ پر اپنی کتاب ”اسداء الرغاب“ میں جو نجف اشرف میں شائع ہوئی ہے تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت سے استدلال میں یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں ”یغضوا“ کے حکم کے ساتھ ”من ابصارہم“ کی لفظ ہے۔ اور من عربی میں تبعیض یعنی جزئیت کے لئے آتا ہے اس لئے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ اپنی نظروں کو روکنا چاہئے۔ لہذا یہ ثابت نہیں ہوگا کہ کلیۃً اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

اس کے متعدد جواب ہیں جن میں سب سے زیادہ مضبوط پہلو یہ ہے کہ من تبعیض کے لئے وہاں ہوتا ہے جہاں محاورہ کے لحاظ سے من کے استعمال کا عام رواج نہ ہو۔ لیکن اگر کسی لفظ کے ساتھ من بطور ”صلہ“ کے عموماً استعمال ہوتا ہے جیسے اردو میں کہنے کے ساتھ ”سے“ کی لفظ مثلاً ”میں نے تم

پھر جب کہ غرض کی لفظ کے ساتھ ”مِنْ“ کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے ”تبغیض“ کے معنی کا پیدا ہونا کہاں درست ہو سکتا ہے؟

یہ حکم یغضوا من ابصارہم تو مردوں کو دیا گیا تھا دوسری طرف عورتوں کے لئے بھی حکم دیا گیا۔ قل للمؤمنات یغضضن من ابصارہن ویحفظن فروجہن الخ۔

”کہو ایمان لانے والی عورتوں سے کہ وہ اپنی آنکھوں کو ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔“

چونکہ منفی جذبات کے استعمال میں نگاہوں کے لڑنے کو بڑا دخل ہے۔ ایک کی نگاہ کا بہرہ یاب حسن ہونا اگر آگ سلگاتا ہے تو دوسرے کی نگاہ کا اٹھ جانا اس آگ میں شعلے بلند کرتا ہے۔ اس لئے ایک طرف مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا اور دوسری طرف عورتوں کو مردوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے روکا۔ اگر ان دونوں حکموں پر عمل ہو تو بہت حد تک خرابیوں کا سد باب رہے۔

احادیث میں بھی غیر عورت کی طرف نظر اٹھانے کی بہت شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔ کبھی ارشاد ہوا۔ النظرة سهم من سهام ابلیس مسموم۔

”نگاہ ایک تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے جو زہر میں بجھا ہوا ہے۔“

اس مضمون کے متعدد احادیث ہیں کبھی فرمایا:

انما النظرة من الشيطان

”نگاہ کرنا شیطانی کام ہے“

کبھی فرمایا اناکم والنظرة

”دیکھو نظر کرنے سے پرہیز کرو“۔

کبھی من ملاء عینیہ من حرام ملاء اللہ عینیہ یوم القيامة من النار الا ان یتوب ویرجع جو اپنی آنکھوں کو نا محرم پر نظر ڈالنے سے بھرے گا خدا اس کی آنکھوں کو روز

سے کہا، اور فارسی میں ”گفت“ کے ساتھ ”ب“ کا استعمال مثلاً ”بادگفت“ اور عربی میں قول کے ساتھ ”ل“ کا استعمال مثلاً قال لہ، اس طرح اگر کسی فعل کے ساتھ عربی میں مِنْ کا استعمال ہوتا ہے تو اس صورت مِنْ تبغیض کو نہیں بتائے گا۔ بلکہ صرف صلہ ٹھہرے گا۔ غرض کی لفظ ایسی ہی ہے کہ اس کے ساتھ ”مِنْ“ کا استعمال بطور صلہ ہوتا ہے۔ جس کی اہل لغت نے تصریح کی ہے۔ قیوٰی نے ”مصباح منیر“ میں لکھا ہے۔

غض الرجل صوتہ وطرفہ ومن صوتہ غضاً من باب قتل خفص۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ”غض طرفہ“ اور ”غض من طرفہ“ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

سید علی خاں مدنی شارح صحیفہ کاملہ نے اس فقرہ دعا کی شرح میں کہ واغض بصری عنہم عقیقہ لکھا ہے:

غض الرجل بصرہ من بصرہ من باب قتل خفصہ۔

اس کا بھی مطلب وہی ہے کہ غصہ و غض من بصرہ کے ایک ہی معنی ہیں۔

کلام عرب میں بھی یہ استعمال شائع ہے۔ چنانچہ جریر نے اپنے فرزند کے مرثیہ میں جس کا ذکر میرو نے کامل میں کیا ہے کہا ہے:-

فارقتنی حین غض الدهر من بصری

وحین صوت کعظم الزمة البالی

”تم نے مجھ سے جدائی اختیار کی اس وقت جب اس زمانہ نے میری آنکھوں کو جھکا دیا اور جب میں ایک بوسیدہ ہڈی کے مثل کہنہ و فرسودہ ہو گیا۔“

حما سہ کے شاعر نے کہا ہے:

واغض من بصری واعلم انه

قد بان حد فوارسی ورماحی

قیامت آتش جہنم سے پر کرے گا۔

اس کے علاوہ کثیر التعداد احادیث میں یہ صراحت ہے کہ پہلی نگاہ جائز ہے مگر دوسری نگاہ حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ راستہ چلنے میں جو ایک ایک کی نظر پڑ گئی تو وہ معاف ہے یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے راستہ چلو۔ مگر اس کے بعد ارادۃً پھر نظر اٹھا کر دیکھنا ناجائز ہے اور باعث مواخذہ۔

نہ یہ کہ خاص طور پر تم جو نگاہ اٹھا کر بقصد و ارادہ کسی اجنبی عورت پر نظر ڈالو تو یہ پہلی دفعہ جائز ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بقصد و ارادہ غیر عورت کے جسم و چہرہ پر نظر ڈالنا تو مطلقاً حرام ہے خواہ پہلی بار ہو یا بار بار دیکر۔

☆☆☆

پردہ کے متعلق قرآنی احکام

لباس کا پردہ یعنی کوئی برقع یا نقاب یا مقنع جس سے جسم کے علاوہ چہرہ بھی مخفی ہو جائے۔ اس کا حکم صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:-

وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمْرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ
أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ
أَخْوَانَهُنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَهُنَّ
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرَ أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ
الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَتِ
النِّسَاءِ۔ (النور، ۳۱)

(یعنی) ”خواتین اپنی آرائش جسمانی کو نمایاں نہ کریں سوائے اس کے جو (پردہ کرنے کے بعد بھی قہراً) آرائش نمایاں ہوتی ہے اور لازم ہے کہ وہ اپنے مقنعے اپنے سروں پر سے (گریبانوں پر لٹکا لیا کریں اور اپنی آرائش

کو ظاہر نہ کریں۔ مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپ داداؤں کے لئے یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کے لئے یا اپنی اولاد کے لئے یا اپنے شوہروں کی اولاد کے لئے یا ان بچوں کے لئے جنہیں عورتوں کے نسوانی خصوصیات کی تمیز نہیں ہے۔“

اس آیت سے محرم اور نامحرم کی تفریق کی بنیاد قائم ہوئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ محارم سے جن کی یہاں فہرست درج ہے پردہ لازم نہیں ہے اور ان کے علاوہ جتنے ہیں وہ نامحرم ہیں اور ان سے پردہ لازم ہے۔ پھر اس میں یہ اہتمام ہے کہ ان بچوں سے بھی پردہ لازم ہے۔ جنہیں نسوانی امتیازات و خصوصیات کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ پھر خمار اوڑھنے اور خمار کو گریبانوں تک ڈالنے کا حکم بھی ہے تاکہ چہرہ کا کوئی حصہ کھلا ہو نہ رہے۔

خمار کی یہ نوعیت کہ اس سے چہرہ مخفی ہوا کرتا ہے کلام اہل زبان کی تتبع سے ثابت ہے متنبی کہتا ہے۔

انّی علی شغفی بما فی خمرھا

لاعف عما فی سراویلاتھا

”میں باوجود اس شینفتگی کے جو مجھے اس کے زیر

خمار کے ساتھ ہے۔

پھر بھی پرہیز رکھتا ہوں اس حصہ جسم سے جو زیر جامہ سے مستور ہے۔

عکبری نے تبیان میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

انّی مع حبّی لوجوھنّ اعف عن ابد
انھن۔ (یعنی) ”میں باوجود ان کے چہروں کی محبت کے ان کے جسم سے علیحدہ رہتا ہوں۔“

علامہ سید رضی رحمۃ اللہ نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

احنّ الی ما تضمّر الخمر والحلی

واصدف عما فی ضمان المأزر
”میں مشتاق رہتا ہوں ان اجزائے بدن کا جنہیں
خمار اور زیور پنہاں کئے ہوئے ہیں اور پرہیز کرتا ہوں ان
اجزائے جسم سے جو تہ بند کی ضمانت میں ہیں۔“
قاضی ابوعلی تنوخی نے کہا ہے:

قل للمليحة في المختار المذهب
افسدت نسك اخي التقى المترهب
نور الخمار ونور خدك تحته
عجا الوجهك كيف لم يتلهب

”کہو اس حسینہ سے جو زرتار خمار میں ہے کہ تو نے
پرہیز گار زاہد کی بھی نیت خراب کر دی۔ خمار کی چمک اور پھر
تیرے رخسارے کا نور اُس کے نیچے۔
تجربہ ہے کہ تیرے چہرہ سے شعلے کیوں نہ اٹھنے
لگے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خمار چہرہ کے اوپر ہوتا
ہے اور رخسار زیر خمار مستور ہوتے ہیں۔
متنبی کا ایک شعر ہے۔

سفرت وبرقعها الحياء بصفرة
سترت محاسنها ولم تک برقعها
اس کی شرح میں عکبری نے لکھا ہے۔

يقول لما القت خمارها واسفرت عن وجهها
برقعها الحياء بصفرة۔

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خمار اتار دیا
اور چہرہ اتنا ظاہر کر دیا تو حیا اور شرم نے اس کے چہرہ پر زردی کا
برقع ڈال دیا۔“

معلوم ہوا کہ خمار کے اتارنے سے چہرہ ظاہر ہوتا
ہے اور خمار ڈالے رکھنے سے چہرہ پوشیدہ ہوتا ہے۔
بحار الانوار میں حبابہ والیبہ کی روایت ہے کہ وہ

امام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حضرت نے دریافت حال کیا۔ انہوں نے کہا مجھے
ایک خاص شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے حاضر نہ
ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کیا شکایت۔ اس موقع پر روایت کا
فقہ یہ ہے کہ قالت فكشفت خماري عن برص۔ وہ کہتی
ہیں کہ

”میں نے خمار ہٹا کر برص کا نشان دکھایا۔“

اس سے ثابت ہے کہ برص ایسی جگہ تھا کہ خمار سے
چھپا ہوا تھا۔ دوسری روایت میں جسے ابن شہر آشوب نے
مناقب میں درج کیا ہے تصریح ہے کہ کان بوجھی
وضوح۔ حبابہ کا بیان ہے کہ میرے چہرہ میں یہ سفیدی کا داغ
تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خمار چہرہ سے متعلق ہوتا ہے۔

اس کے بعد جو قرآن نے حکم دیا ہے کہ خمار کو اپنے
گرمیوں پر ڈالے رہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خمار
صرف چہرہ کی مقدار بھر نہ ہو ورنہ ہوا کی تحریک یا رفتار کی جنبش
سے چہرہ کا کھل جانا یقینی ہے بلکہ وہ ایسا ہو کہ گردن کو چھپاتا ہوا
گرمیوں تک پہنچ جائے تاکہ چہرہ و گردن وغیرہ کا کوئی حصہ کسی
حالت میں نمایاں نہ ہو۔ اس سے پردہ کے بارے میں قرآن
کے اہتمام کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے۔
دوسری آیت

يا ايها النبي قل لازواجك وبناتك ونساء
المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذالک ادنیٰ ان
يعرفن فلا يؤذین۔ (احزاب۔ ۵۹)

اے پیغمبر کہہ دو اپنی بیویوں سے اور اپنے گھر کی
لڑکیوں سے اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنی
چادروں کو اپنے سروں کے اوپر سے چہروں پر لٹکا لیا کریں۔ یہ
کم از کم وہ امتیاز ہے جس سے ان کی شناخت ہو اور پھر انہیں نہ
ستایا جائے۔

المؤمنين يؤذيهن فاذا قيل له فان كنت احسبها آفة فامر
الله تعالى ان يخالفن زى الاماء ويدنين عليهن من
جلايبهن تخمر وجهها الا احدى عينيها -
پھر لکھا ہے:

واخرج ابن جرير وابن ابی حاتم وابن
مردويه عن ابن عباس رضى الله عنهما فى هذه الآية قال
امر الله نساء المؤمنين اذا خرجن عن بيوتهن فى حاجة
ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلايب
ويدنين علينا واحدة -

پھر ص، ۲۲۲ میں لکھا ہے:-

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن محمد
بن سيرين رضى الله عنه قال سألت ابا عبيدة السلماني
رضى الله عنه عن قول الله يدنين عليهن من جلايبهن
قنقنق بملحفة فغطى راسه ووجهه واخرج احدى
عينيہ -

خطیب شریبی نے سراج منیر ص، ۲۵۵ میں لکھا
ہے:-

يدنين عليهن اى على وجوههن وجميع
ابدانهن فلا يدعهن منها شيئا مكشوفاً -

”يدنين عليهن کا مطلب یہ ہے کہ تمام اپنے چہروں
اور جسموں کو چھپالیں اور کوئی جزو ان میں کا کھلا ہوا نہ
چھوڑیں۔“

تفسیر جلالین میں ہے:

اى يرخين بعضها على الوجوه اذا خرجن
لحاجتهن ”يدنين عليهن من جلايبهن“ کے معنی یہ ہیں
کہ چادروں کا کچھ حصہ چہروں پر ڈال لیا کریں۔ جب کسی
ضرورت سے گھر سے نکلیں۔“

بیضاوی نے اپنی تفسیر (مطبوعہ اسلامبول ۱۳۰۵ھ

واقعہ یہ تھا کہ ابتدائے اسلام میں لاپرواہی سے
اکثر عورتیں بس چادر سر پر ڈال لیتی تھیں اور نکل جاتی تھیں۔
بعض منچلے نوجوان کبھی کبھی عورتوں کو چھیڑتے اور ستاتے تھے
اور اکثر شریف عورتیں اگر اپنی شرافت کی لاج رکھنا چاہتی ہیں
تو انہیں خود اپنا تحفظ کرنا چاہئے۔ ایسا جوان کی شرافت کا
امتیازی نشان ہوا اور وہ یہ کہ یہ اپنے چہروں کو کھولے نہ پھریں۔
بلکہ سروں کے اوپر سے برقع اتنا لٹکالیں کہ چہرہ پر نقاب کی
صورت سے آجائے اور اس طرح آوارہ مزاج نوجوانوں کو یہ
جرات نہ ہو کہ وہ ان کو تکلیف پہنچادیں۔

لغویین اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ ”ادناء جلاب“ کے
معنی میں چہرہ کا چھپانا ضروری طور پر داخل ہے۔ چنانچہ علامہ
زمخشری نے تفسیر کشاف (جلد ۲، ص ۲۲۱) میں لکھا ہے۔

معنى يدنين عليهن من جلايبهن يرخينها
عابهن ويعطين بها وجوههن واعطافهن يقال اذا زل
الثوب عن وجه المرأة ادنى ثوبك على وجهك -
پھر زمانہ جاہلیت کی لاپرواہی اور آیت کی شان
نزول ذکر کرنے کے بعد (جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں) لکھا
ہے:

فامر ان يخالفن بزيهن عن زى الاماء يلبس
الاردية والملاحيف وستر الرأس والوجوه فيحشمن
ويهيئ فلا بطمع فيهن طامع -

”آزاد اور شریف عورتوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنے سراور
چہرے چھپائیں تاکہ ان کی وقعت قائم ہو اور ہوسناک ان کے
بارے میں ہوس کے کام نہ لے سکیں۔“

حافظ جلال الدین سیوطی نے درمنثور (جلد
۵، ص ۲۲۱) میں لکھا ہے:-

اخرج ابن سعد عن محمد بن كعب القرظي
رضى الله عنه قال كان رجل من المنافقين يتعرض لنساء

جس (۵۶۳) میں لکھا ہے:- الجلباب خمار المرأة الذی یغطی راسها

ووجهها اذا خرجت لحاجة۔

”جلباب سے مراد وہ لباس ہے جو عورت کے سر اور چہرہ کو چھپا لیتا ہے“

کسی ضرورت سے نکلنے کے وقت۔

دوسری کتاب جوامع الجامع ص، ۲۹۶ میں فرماتے

ہیں:

معنی یدنین علیہن من جلا بیہن یرخین

علیہن ویغطین بہا وجوہن واعطافہن یقال اذا زل

الثوب عن وجه المرأة ادنی ثوبک علی

وجہک (یعنی) یدنین علیہن من جلا بیہن۔ کے معنی

یہ ہیں کہ چادروں کو لٹکالیں اور ان سے چہروں کو اور تمام

اطراف و جوانب کو بالکل چھپالیں۔ زبان عرب میں اس موقع

پر جب کپڑا عورت کے چہرہ سے ہٹ جائے کہا جاتا ہے اذنی

ثوبک علی وجہک۔ یعنی اپنے کپڑے کو چہرہ پر لٹکالو۔ پھر

فرماتے ہیں کہ:

من جلا بیہن۔ میں من تبعیض کا ہے ای

یرخین بعض جلبابہن علی الوجه۔ ”مطلب یہ ہے کہ کچھ

حصہ چادر کا چہرہ پر ڈال لیں۔“

لاحسن کاشانی نے تفسیر صافی، ص ۲۲۷ میں لکھا ہے۔

یغیظین وجوہن وابدانہن بملا حفہن اذا

برزک لحاجة۔

شیخ فخر الدین طریخی نجفی نے مجمع البحرین

(ص ۱۰۰) میں لکھا ہے

معنی یدنین علیہن من جلا بیہن ای یرخیہا

علیہن ویغیظین بہ وجوہن واعطافہن ای اکتافہن۔

سلطان محمد بن حیدر زخبادی خراسانی نے اپنی تفسیر

بیان السعادة فی مقامات العبادۃ (ج، ۲، ص ۱۴۷ مطبوعہ

یغیظین وجوہن وابدانہن اذا برزن لحاجة۔

اپنے چہروں اور جسموں کو چھپائیں جب کسی ضرورت سے نکلیں،

علامہ نظام الدین حسن بن حسن قمی نیشاپوری نے اپنی

تفسیر غرائب القرآن (ج ۲، ص ۳۲) مطبوعہ مصر بر حاشیہ تفسیر

طبری میں لکھا ہے۔

معنی یدنین علیہن یرخین علیہن یقال

للرأة اذا زل الثوب عن وجہها ادنی ثوبک علی

وجہک ابو مسعود نے اپنی تفسیر (ج ۶ بر حاشیہ تفسیر کبیر،

ص ۸۰۱) میں لکھا ہے:

ای یغیظین بہا وجوہن وابدانہن اذا برزن

لداغیہ من الدواعی۔

سید محمد عثمان میر غنی مکی حسین حنفی نے تاج التفاسیر

(ج ۲، ص ۹۲، مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ) میں لکھا ہے۔

یدنین علیہن من جلا بیہن ای یرخین علی

وجوہن وسائر اجسادہن ما یسترہن من الملاءات

والثوب الساتر۔

ملاحسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر مواہب علیہ

(مطبوعہ بمبئی ج ۲، ص ۱۸۲) میں لکھا ہے:

”بوقت بیرون رفتن از خانہ نزدیک گردانند و فرد

گزارند بر روی بادیہ نہائے خویش چادر بائے خود را یعنی وجوہ

و ابدان خود را بدان بیوشانند پوشیدن سرور دے و بدن

نزدیک تراست بانکہ ایشان را بشاسند بصلاح و عفت یا

متمیز شوند بآزادی“

یہ تو مفسرین اہل سنت کے عبارات ہیں اور مفسرین

شیعہ بھی اس سے متفق ہیں چنانچہ علامہ طبری نے مجمع البیان

(ج ۲، ص ۲۵۱) میں لکھا ہے:-

طہران ۱۳۱۳ھ) میں لکھا ہے:

کن لا یغطین وجوہن وسائر مواضع زینتھن
بجلابہن فامر اللہ تعالیٰ بستر الوجوہ والقُدود
بالجلابیب۔

”پہلے عورتیں عموماً اپنے چہروں اور باقی مقاماتِ زینت کو چھپانے کا لحاظ نہ کرتی تھیں۔ اس لئے خداوند عالم نے حکم دیا کہ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چادروں سے چھپا لیا کریں۔“

حاج میرزا حسن ملقب بہ صفی شاہ نعمت اللہی نے اپنی تفسیر میں جس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ نثر میں بھی ہے اور نظم میں بھی آیت کی دونوں طرح کی تفسیر کی ہے۔ پہلے نثر میں کہتے ہیں ص، ۲۸۲ ”اے پیغمبرؐ برگزیدہ بگو مرزنان خود را و دختران خود را و زنان گردندگان کہ وقت خروج نزدیک کنند برایشان بر رویہا چادر ہائے خود را۔“

پھر نظم میں کہتے ہیں (ص، ۸۶۳)

اے پیغمبر گو باز واجب چنیں
ہم نباتت ہم نساء مومنیں
اینکہ بر روئے ازپئے ستر و حجاب
چادرے گیرند در وقت ذباب
تاپوشد سینہ در دہائے شان
ساق و ساعد پشت و پہلو ہائے شان
اقرب ایں باشد بعفت بے ستیز
تا کہ بشناسند شان اہل تمیز

ملا فتح اللہ شیرازی نے منہج الصادقین (ج، ۳، ص ۶۱۹) میں لکھا ہے:

یدنین نزدیک گردانند و فرد گزارند علیہن
بررود پہلو ہائے خود جلابیہن چادر ہائے خود را یعنی

وجوہ و ابدان را بدان پیوشند۔ ذلک آن پیوشیدن
سردروئے ادنی نزدیک تراست بانکہ ان یعرفن ایشاں
را بہ شناسد بصلاح و عفت تابہ جہت آن معترض
ایشاں نہ شوند۔

اب اس سے بڑھ کر چہرہ کو چھپانے کے بارے
میں صاف حکم کیا ہو سکتا ہے؟

(تیسری آیت)

والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحاً
فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجات
بزینۃ وان یتستعففن خیر لھن واللہ سمیع علیم۔

(النور، ۶۰)

”وہ ازکار رفتہ عورتیں جن کے لئے اب کسی مرد کی
رغبت کی توقع نہیں ہو سکتی ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ
اپنے پردہ کے لباس کو اتار دیں لیکن اپنی زینت کو دکھاتی ہوئی
بن ٹھن کر نہ پھریں اور پھر اگر عفت سے کام لیں تو یہ ان کے
لئے بہتر ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔“

یہاں آیت کی اٹھان شروع سے بتا رہی ہے کہ
ایک حکم عام سے رعایتی استثناء کی صورت سے ایک اجازت
دی جا رہی ہے اب دیکھئے کہ استثناء میں قیود کتنے سخت عائد
کئے گئے ہیں۔ ہو سکتا تھا، کہہ دیا جاتا کہ ”بوڑھی عورتیں“ مگر
بڑھاپے کو ایک عمر خاص پر محمول کیا جاسکتا تھا جس میں مختلف
عورتوں کی حالت کاٹھی کے اعتبار سے جدا جدا ہو سکتی ہے اس
لئے پہلے ہی لفظ ”قواعد“ کی رکھی گئی ہے۔ جو اس پیری کے
درجہ کا پتہ دیتی ہے جس میں انسان بالکل معذور ہو جاتا ہے۔
پھر اس کے ساتھ ”معیار حکم“ کا پتہ دینے کے لئے یہ قید لگا دی
کہ اللاتی لا یرجون نکاحاً جس سے اندازہ ہوا کہ پردہ
جس خطرہ کے احساس کی بنا پر تھا وہ خطرہ ان میں دور ہو چکا ہے

- ان کے لئے یہ حکم ہے کہ یہ اپنے کپڑوں کو اتار کر رکھ دیں۔
ظاہر ہے کہ ان کپڑوں سے مراد وہ لباس تو قطعاً نہیں ہے۔ جو
جسم سے متصل ہوتا ہے اور جس کے ہٹنے سے انسان مادرِ زاد
برہنہ ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام لباس کے علاوہ وہ زائد
لباس ہے جو نسوانی پردہ داری کے نقطہ نظر سے برقع وغیرہ کی
شکل میں اوپر سے ڈالا جاتا ہے۔ اس طرح کے لباس کو دور
کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کے لئے بلاغت قرآنی نے ایک لفظ کے انتخاب سے اشارہ کیا ہے جس کو عربیت میں ڈوبے ہوئے اشخاص ہی سمجھ سکتے ہیں وہ یہ کہ ایسا لباس جو جسم سے متصل ہوتا ہے جس کے اوپر پہننا صادق آتا ہے اس کے جسم سے دور کرنے کے لئے لفظ استعمال ہوگی۔ ”نزع“ کے معنی ہوں گے جسم سے اتارنا۔ قرآن نے ینزعن ثیابھن۔ استعمال نہیں کیا ہے بلکہ یضعن ثیابھن۔ یہ وہ لباس ہے جو جسم سے اس طرح کا اتصال نہیں رکھتا جس کا ہٹنا جسم سے کسی لباس کا اتارنا ہوتا کہ نزع صادق آنے بلکہ یہ وہ لباس ہے جو اٹھا کر الگ سے جسم پر ڈال دیا جاتا ہے اور اس کا دور کرنا یہ ہے کہ اس کو اٹھا کر ڈالنا جائے بلکہ رہنے دیا جائے۔ اسی لئے وضع کی لفظ کو استعمال کیا ہے جس کے معنی اتارنے کے نہیں بلکہ رکھنے پارہنے دینے کے ہیں۔

قرآن میں نزع کی لفظ کا استعمال موجود ہے۔ جس سے اس کے معنی کی خصوصیت ظاہر ہوگی۔ اور وہ قصہ آدم وحوّا میں تناول گندم کے بعد ہے۔ **يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا**۔ شیطان ان کے جسم سے ان کے لباس اترنے کا باعث ہو رہا تھا کہ ان کے جسم کے اجزاء جنہیں چھپانا لازم ہے ظاہر ہو جائیں۔ یہ چونکہ اس لباس سے متعلق ہے کہ جو جسم سے متصل ہوتا ہے۔ اس لئے نزع کی لفظ ہے اور وضع کی لفظ کا استعمال یوں ہے کہ:

ويضع عنهم اصرهم والاغلل التي كانت

عليہم۔ (اعراف۔ ۱۵۷)

”پیغمبرؐ ان سے ان کے بوجھے کو اتار رہا تھا اور ان زنجیروں کو جو ان کے اوپر پڑی ہوئی تھیں۔“

ظاہر ہے کہ بوجھا لگ سے ایک چیز ہوتی ہے جو جسم کے اوپر رکھی جاتی ہے۔ اس لئے اس کے اتار کر رکھ دینے کو وضع کی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اب اس کا سمجھنا آسان ہے کہ قاعدہ نساء کے لئے جن کپڑوں کو الگ کرنے کی اجازت دی ہے ان کے لئے نزع کی لفظ کا اطلاق کیوں نہیں ہوا اور وضع کی لفظ کا اطلاق کیوں ہوا؟ اور اس سے ثابت ہوا کہ جو قواعد من النساء ہوں اور جنہیں مردوں کے خواہشات نفس کا مرکز بننے کا اندیشہ ہوان کے لئے علاوہ اس لباس کے جو تمدنی زندگی میں جسم سے متصل ہونا ناگزیر ہے شرع کی جانب سے ایک طرح کا لباس ایسا ہونا لازم ہے جو اوپر سے جسم پر ڈالا جائے۔

یضع عنہم اصرہم۔ کی مدد سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ لباس جسم پر ایک بار کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن پردہ داری کی حفاظت کے لئے ایسے لباس کا ان عورتوں کے لئے ہونا ضروری ہے۔

اقوال ائمہ معصومینؑ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیحہ محمد بن مسلم میں ہے امامؑ سے پوچھا کہ ازکار رفتہ ضعیف عورتوں کے لئے کسی لباس کا علیحدہ کرنا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا جلباب حسنہ محمد بن ابی حمزہ میں بھی یہی ہے کہ تضع الجلباب وحده۔۔۔۔۔“ صرف اوپر کی چادر کو اتار سکتی ہیں۔

پھر اس استثناء میں بھی جو ضعیف العمر عورتوں کے لئے ہے یہ قید لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہوئی بن ٹھن کر نہ پھیریں۔ یہ وہ بڑھیاں ہو سکتی ہیں جنہیں جوان بننے کی ہوس ہے یا جنہیں بڑھاپے میں بھی شوق چراتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں حسین معلوم ہوں مگر اس کا حق انہیں نہیں

دیا جاتا۔

تو پھر جوان عورت جو فطری دلکشی کی حامل ہے اس کے لئے کب شریعت اس کی اجازت دے گی کہ وہ بے پردہ مردوں کے سامنے باہر آئے۔

پھر ان ضعیف عورتوں کے لئے بھی آخر میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ عفت سے کام لیں تو بہتر ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ نظر شرع میں خود پردہ سے نکلنا ہی عفت کے خلاف ہے خواہ اس کے ساتھ کوئی بدعتی شامل نہ ہو۔

اس سے ان نیک دل بھائیوں کو سبق ملے گا جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں نیت بخیر ہونا چاہئے۔ پھر پردہ نہ بھی ہو تو کیا مضائقہ؟ ان کے نزدیک عفت کو صدمہ اس وقت پہنچے گا کہ جب فسق و فجور و خیانت کے عملی ارتکاب کا ارادہ پیدا ہو اور بغیر اس کے کتنی ہی بے پردہ عورت ہو وہ نیکو کار اور پارسا سمجھی جائے گی۔ مگر افسوس ہے کہ قرآن اس بارے میں ان کا ہم آواز نہیں ہے۔

حکم پردہ سے ماضیہ منہا کا استثنا

مفسرین کی پریشاں خیالی اور اس کا مختتم فیصلہ

وہ جو پردہ کے مخالف ہیں۔ الّا ماضیہ منہا۔ کہ لفظ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن نے کم از کم ہاتھوں اور چہرہ کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لایسیدین زینتھن۔ اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں۔

اس میں زینت سے مراد مقامات زینت ہیں یعنی جسم کے وہ حصے جن کی آرائش کی جاتی ہے اور ان سے استثناء کیا گیا ہے الّا ماضیہ منہا۔ مگر وہ جوان میں سے ظاہر ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مقامات زینت کا چھپانا لازم نہیں ہے جو کہ نمایاں ہیں۔ یہ مقامات زینت کون ہیں؟ ہاتھ اور چہرہ۔ یہی وہ اعضائے زینت ہیں جو قدرۃ نمایاں ہیں۔ ابن

عباسؑ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ الّا ماضیہ منہا۔ سے مراد سرمہ اور مہندی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا انکشاف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے نہ ہوں لہذا معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا ہونا شرعاً جائز ہے۔

یہ استدلال ہے جو مخالفین پردہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر وہ درست نہیں ہے۔

ابن عباسؑ وغیرہ کی تفسیر جب تک بطریق معتبر معصومؑ تک منتهی نہ ہو حجت اور لازم العمل نہیں ہے خصوصاً جب کہ ان میں اختلاف بھی موجود ہے۔ ابن عباسؑ کی زبانی بیان کیا جاتا ہے کہ وجہ کفین مراد ہیں۔ یا یہ کہ سرمہ و حنا مراد ہے اور ابن مسعود کا قول نظر آتا ہے کہ اس سے لباس مراد ہے۔ ایسی صورت میں ان غیر معصوم مفسروں کا اعتبار ہی کیا تحقیق پسندی کے لحاظ سے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ خود الفاظ قرآن پر نظر ڈالی جائے اور ان سے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک تبادر ذہنی اور فہم عرفی کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ زینت کے معنی آرائش کے ہیں جو ایک خارجی چیز ہے۔ اجزائے جسم ہرگز بغیر مجازی تصرف اور قرینہ خاص کے زینت میں داخل نہیں ہوتے۔ قرآن مجید نے بھی زینت کا استعمال اسی معنی میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خذوا زینتکم عند کلّ مسجد۔ نماز کے موقع پر اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو، کھلی ہوئی بات ہے کہ زینت سے مراد یہاں لباس و زیور ہی وغیرہ ہے اجزائے بدن مراد نہیں ہیں۔

خود اسی آیت پردہ کے آخر میں آہے ولا یضر بن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔ اپنے پیروں کو زمین پر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت وہ چھپائے ہوئے ہیں معلوم ہو یہاں زینت سے چھاگل، جھانجھ، پازیب وغیرہ وہ زیور ہی

مراد ہیں جو پیروں میں پہنے ہوئے ہیں۔

جب کہ زینت کا مفہوم عرفی یہی ہے اور قرآن مجید کے استعمالات بھی اسکے شاہد ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ کہ لا یبیدین زینتھن۔ میں زینت سے مراد اجزائے بدن لئے جائیں بلکہ یہی سمجھنا چاہیے کہ جو سامان آرائش مجسم پر ہے اسی کے چھپانے کا حکم ہے۔ یہ سامان آرائش کیا ہوتا ہے؟ یہی زیور اور لباس، اس کی پردہ داری کا حکم ہوا ہے۔ اسی لئے کہ جسم کا کوئی حصہ کھلنے نہ پائے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ خود وہ لباس جس سے جسم اور جسم سے متصل زینت کو ڈھانکا جائے۔ مثلاً برقع یا چادر یا مقنع وہ بھی زینت کے اطلاق میں داخل ہے۔ لہذا اسے بھی چھپانا لازم قرار پایا ہے۔ اس بناء پر استثناء کیا گیا کہ الا ما ظہر منها۔ یعنی جو زینت جسم کو چھپانے کے بعد قدرۃ ظاہر ہوتی ہے جیسے اوپر کا ملبوس یا سر کا مقنع یا پیر کی جرابیں یا ہاتھ کے دستانے ان کا چھپانا لازم نہیں ہے۔ خود اسی آیت کا آخری ٹکڑا کہ لئلا لیعلم ما یخفین من زینتھن۔ اس تشریح کی صحت کا گواہ ہے کیونکہ ظہور اور خفاء مقابل صفتیں ہیں پیر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو۔ چھپائے ہوئے ہیں کا ہے میں یعنی لباس کے اندر تو اب جو زینت نہیں چھپی ہوئی ہے وہ کون ہوئی؟ جو لباس کے اوپر سے نمایاں رہے۔ یعنی لباس کے اندر جو آرائش ہو وہ زینت مخفی ہے اور لباس کے اوپر سے جو آرائش ہو وہ زینت ظاہر ہے باطن اور ظاہر کے عربی زبان میں یہ معنی شائع و ذائع ہیں۔ چنانچہ مکان کی تعریف میں حکماء کہتے ہیں:- السطح الباطن من الجسم الحاوی المماس للسطح الظاہر من الجسم المحوی۔ سطح باطن یعنی نیچے کی سطح اور ”سطح ظاہر“ اوپر کی سطح نیچے البلانہ میں ہے ہو الظاہر فلا شیء فوقہ والباطن فلا شیء تحته۔ یہاں بھی ظاہر سے مراد اوپر اور باطن سے مراد نیچے لیا گیا ہے۔

پھر یہ ہر صاحب عقل کو سمجھنا چاہیے کہ جس شریعت کو پردہ میں یہ اہتمام ہو کہ پازیب یا چھاگل کی آواز کا غیر مرد تک پہنچنا پسند نہ کرے وہ عورت کے چہرہ کا جو حسن و جمال کا بڑا مرکز ہے غیر مردوں کے سامنے بے نقاب ہونا کیونکر پسند کر سکتی ہے۔ قرآنی آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر چھاگل وغیرہ پہنے ہو تو پیر آہستہ رکھ کر چلے کہ آواز بلند نہ ہو اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی چھاگل کو پہننا ہی بہتر نہیں ہے جس میں آواز پیدا ہو۔ چنانچہ علی بن جعفر نے اپنے برادر عالی مقدار امام موسیٰ کاظم سے جو تحریری مسائل دریافت کئے تھے اور ان کا جواب حضرت نے دیا تھا اس میں ہے:

سألته عن الخلا خیل ایصلح لباسها للنساء قال ان کن صماء فلا لباس وان کان لها صوت فلا۔ امام سے دریافت کیا گیا کہ چھاگل اور پازیب کا پہننا عورتوں کے لئے کیسا ہے؟ حضرت نے تحریر فرمایا کہ اگر بے آواز ہوں تو کوئی حرج نہیں اور اگر آواز دیتی ہوں تو نہیں۔“

جناب استاد علام مولانا سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے فریق مخالف کے اس خیال کو مان کر کہ زینت سے مراد اجزائے جسمانی ہیں آیت کے سیاق سے ایک نہایت محققانہ نتیجہ نکالا ہے۔ جو موصوف کی دقت نظر کا نتیجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کو دیکھو اس میں ایک دفعہ لا یبیدین زینتھن۔ کہا گیا ہے یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں اور اس میں استثناء کیا گیا ہے کہ الا ما ظہر منها۔ مگر وہ جو ظاہر زینت ہو۔ اس مقام پر محرم اور نامحرم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس کے بعد ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن۔ اپنے خماروں کو اپنے گریبانوں پر ڈالیں۔ اس حکم کے بعد پھر ارشاد ہوا ہے ولا یبیدین زینتھن۔ اور چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔“ یہاں یہ استثناء کیا گیا ہے کہ الا لبعولنھن او آبائھن او آباء بعولھن او ابنائھن۔ یعنی کسی

کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنی اولاد کے۔“ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ زینت ظاہر یا مخفی۔

اس سے کہ پہلی جگہ محارم کا کوئی استثناء نہیں ہے اور دوسری جگہ محارم کا استثناء ہے تو زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ پہلی جگہ لایسیدین زینتہن۔ سے مراد کسی دیکھنے والے سے پردہ نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں پر اپنے اعضائے زینت کا اظہار نہ کرو۔ ورنہ محرم اور غیر محرم کی تفریق ضروری تھی۔ بلکہ اس سے مراد اپنی جگہ پر پردہ ہے بایں معنی کہ مسلمان عورتوں کو لباس کی ایک نوعیت تعلیم کی گئی ہے کہ تم کو ایسا لباس پہننا چاہیے۔ جس میں اعضائے جسم چھپے رہیں اور یہاں پر اعضائے ظاہر کا استثناء کیا گیا ہے۔ جس کی تفسیر وجہ و کفین سے کی جاتی ہے۔ یعنی بس ہاتھ اور منہ کھلا رہے اور تمام اعضائے جسم ڈھکے رہیں۔

اس کے بعد پھر قرآن مجید نے اس پر وہ تعلیم دینا چاہی ہے جو عورتوں کو دوسرے مردوں کی نگاہوں سے کرنا چاہیے تو یہاں ضرورت ہوئی محارم کے استثناء کی کیونکہ ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ مگر اس مقام پر اعضاء میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ کس جزو کا چھپانا واجب ہے اور کس کا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نامحرم سے پردہ میں عورت کے تمام اعضاء کو چھپا ہونا چاہیے اور کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

یہ خیال کہ پردہ تو ہمیشہ دیکھنے والے ہی سے ہوتا ہے جب کوئی دیکھنے والا نہیں تو ایسے وقت میں کسی طرح کے پردہ کی بھی کیا ضرورت ہے۔ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے لباس کی ایک لازمی نوعیت مقرر کی ہے جو مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے مختلف ہے جس میں کسی دیکھنے

والے کی موجودگی اور عدم موجودگی کا کوئی سوال نہیں ہے اور اس کے عملی ثبوت کا موقع ہے نماز کی حالت کہ انسان کے لئے نماز کی حالت میں جو ستر ضروری ہے۔ اس میں دیکھنے والے کی کوئی قید نہیں۔ بالکل تاریکی میں، اکیلے مکان میں، دروازوں کو ہر طرف سے بند کر کے بھی نماز پڑھنا چاہے تو ستر ضروری ہے بغیر اس کے نماز باطل ہوگی۔ یہ مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے مردوں کے لئے تو فقط اعضائے مخصوص کا چھپانا لازم قرار دیا گیا ہے لیکن عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور اکثر علماء کے قول کے مطابق پیروں کی پشت کے اور کوئی حصہ جسم کھلا ہوا نہ رہے۔ اس میں محرم اور نامحرم کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یعنی اگر سب محرم ہوں بلکہ عورتیں ہی ہوں بلکہ وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو تب بھی حالت نماز میں اتنا پردہ عورت کے لئے لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ نظر قدرت میں عورت کے لباس کی یہ مقدار لازم ہے جو قطع نظر دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے کے اس کے واسطے معین ہے جس طرح مردوں کے لئے ستر عورتیں۔

اب اس کے بعد یہ خصوصیت پیدا ہوتی ہے کہ عورتوں کو نامحرموں سے پردہ کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم مردوں کو نہیں ہے یعنی مردوں کو اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ تم نامحرم عورتوں سے پردہ کرو۔ لیکن عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نامحرم مردوں سے پردہ کرو۔ اب اگر یہ پردہ انہی اعضاء کا ہوا جن کا بغیر کسی دیکھنے والے کی موجودگی کے بھی کم از کم حالت نماز میں ضروری تھا تو عورت کے لئے کوئی خصوصی امتیاز نہ ہوا۔ کیوں کہ ایسے اعضاء کا جنہیں حالت نماز میں چھپانا چاہیے مردوں کو بھی پردہ لازم ہے محرم اور غیر محرم سب سے۔ پھر اگر عورتوں کے لئے بھی نماز ہی والے اعضاء کا چھپانا لازم ہوا تو کوئی خصوصی پردہ جو نامحرم کے لحاظ سے ہو عورت کے لئے کہاں ثابت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ علاوہ اس پردہ کے جو

قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ آیت قرآن میں دونوں حکموں کا تذکرہ ایک ہی طرح کے الفاظ کے ساتھ ہے اور الا ما ظہر منہا۔ کا استثناء جس موقع پر کیا گیا ہے وہاں غیر مردوں کا کوئی تذکرہ ہی قطعاً نہیں ہے۔

ایک دوسری توجیہ

جناب سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ایک اور توجیہ بھی تحریر فرمائی ہے جو مستحق توجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ممانعت ہوئی ہے۔ ولا یبدین زینتھن۔ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ ظاہر کرنے کے معنی ہیں بارادہ و قصد جسم کو نامحرم کے سامنے کھولنا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے الا ما ظہر منہا۔ ”مگر جو اعضا ظاہر ہو جائیں“ ظاہر ہو جائیں، اسے کسی فعل ارادی کا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پردہ داری کی کوشش کے باوجود اگر اتفاقاً کوئی حصہ جسم کھل گیا تو گناہ نہ ہوگا۔ یہ ویسا ہے جیسے نگاہ میں پہلی نظر کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ یعنی اتفاقی نظر لیکن دوسری نظر یعنی جان کر پھر دیکھنا حرام۔ ویسے ہی مثلاً عورت اتفاق سے یہ سمجھ کر کہ کوئی سامنے نہیں نقاب ہٹائے ہوئے ہے اور اتفاق سے مرد آگیا تو نہ اس کی اس نگاہ اول میں گناہ اول نظرۃ والی حدیث کے مطابق اور نہ اس کے چہرہ کے کھلے ہونے میں گناہ الا ما ظہر کے مطابق۔ ہاں اگر اس کے بعد پھر وہ دیکھے تو گناہ گار (والنظرۃ الثانیۃ علیک) کی بناء پر اور اگر یہ اس جاننے کے بعد کہ نامحرم سامنے ہے پردہ نہ کرے تو یہ گناہ گار (لا یبدین زینتھن) کی بنا پر۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ الا ما ظہر منہا کی لفظ خود بے پردگی کے عمل میں کہ جو حرام ہے کسی فرد کو خارج نہیں کرتی بلکہ وہ بے پردگی کی ایک ایسی صورت بتاتی ہے جس سے تعلق تکلیف ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ وہ فعل اختیاری نہیں ہے۔ اصطلاحی طور پر اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ مگر اس کے نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جیسے ولا تنکحوا ما نکح آبائکم من النساء الا ما

بجائے خود ضروری ہے جس میں وجہ و کفین عورتوں کے لئے مستثنیٰ ہیں جو نماز کے علاوہ حالتوں میں اگر صرف مستحسن یا افضل ہو تو حالت نماز میں واجب بلکہ شرط صحت ہے۔ عورتوں کے لئے ایک پردہ مخصوص نامحرموں سے لازم ہے یہ وہ ہے جسے دوسری مرتبہ لا یبدین زینتھن۔ کہہ کے الا لبعوتھن وغیرہ کے استثناء کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں الا ما ظہر منہا استثناء نہیں ہے۔ اس لئے اگر الا ما ظہر سے مراد وجہ و کفین ہوں تب بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی کوئی جزو مستثنیٰ ہے۔

اگر ایسا ہوتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی وجہ و کفین مستثنیٰ ہوں تو ضروریہ اس موقع پر مذکور ہوتا کہ جہاں عورتوں کو مردوں کے اوپر نظر کرنے سے اور مردوں کو عورتوں پر نظر کرنے سے منع کیا گیا۔ حالانکہ وہاں چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا استثناء قطعاً نہیں ہے اور اسی لئے جو علماء عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کو حرمت نظر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ انہیں بھی مردوں کے ہاتھوں اور چہروں کو مستثنیٰ قرار دینے میں دشواری محسوس ہوئی ہے چنانچہ مقدس اردبیلیؒ نے ”زبدۃ البیان“ میں فرمایا:۔ هذا ظاهر فی نہی النساء عن النظر الی الا جانب اصلا وراسا ویؤیدہ خبر ابن ام مکتوم المشہور۔

(یعنی) اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کو اجنبی مردوں پر نظر کرنا بالکل حرام ہے اور ابن مکتوم کی مشہور روایت بھی اس کی موید ہے۔

فاضل ہندی نے کشف المشام میں فرمایا ہے:

والحرمة مطلقا هنا اقوی۔ یہاں بالکل نظر کا حرام ہونا بہت قوت رکھتا ہے۔

پھر جب کہ عورتوں کا مردوں پر نظر کرنا مطلقاً حرام ہے اس لئے کہ آیت قرآن میں کوئی استثناء نہیں تو مردوں کے غیر عورتوں پر نظر کرنے میں چہرے اور ہاتھوں کو مستثنیٰ کیونکر

مقتل الحسینؑ

از عُقبہ بن سمعان صحابی حضرت سید الشہداء و غلام جناب ربابؑ

علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کا مونپوری

فہرست مضامین

(۱) مقدمہ کے مضامین

(۱) غلامی کے سلسلہ میں اسلام کے زبردست اصلاحات۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے غلاموں کے کارناموں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے غلاموں کے ساتھ حُسن سلوک پر تبصرہ کی ضرورت۔ کربلا کے غلاموں کے بلند کردار پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ضرورت۔

(۲) اس اہم کام کا آغاز عُقبہ بن سمعان کے

خدمات پر بحث و تبصرہ سے:

عُقبہؑ کا تعارف، عُقبہؑ کی تاریخی زندگی کا آغاز عُقبہؑ کی زندگی کی تاریخی اہمیت۔ عُقبہؑ جناب ربابؑ کے غلام اور امام حسینؑ کے صحابی و معتمد تھے۔ عُقبہؑ کے ذمہ سواری اور خطوط کی حفاظت کا انتظام۔ عُقبہؑ شیخ مفیدؒ و شیخ طوسیؒ و ابن شہر آشوبؒ و مجلسیؒ و مامقانیؒ کی نظر میں۔ عُقبہؑ کس طرح زندہ رہے، رہائی کے بعد عُقبہؑ کا کارنامہ زندگی، عُقبہؑ کی وفاداری و دیانتداری پر تبصرہ۔

(۳) عُقبہ کے مقتل کا ماخذ

طبری میں مقتل کی دو سندیں۔ طبری کی شخصیت۔ طبری کے سوا تاریخ کی دوسری کتابوں میں مقتل عُقبہؑ کے صرف بعض حصوں کے ذکر کرنے کی توجیہ۔ طبری و ارشاد شیخ مفیدؒ میں مقتل عُقبہؑ کی عبارتوں کے اختلاف سے خیال ہوتا ہے کہ شیخ مفیدؒ کا سلسلہ سند کوئی اور تھا۔

(۴) ایک واقعہ پر تاریخی بحث

اس اہم پر تاریخی و نفسیاتی نقد و تبصرہ کہ امامؑ نے (معاذ اللہ) منزل تنعیم پر یزید کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ طبری میں جنگ

بدر کے سلسلہ میں رسولِ خداؐ پر اسی طرح کا اتہام۔ علامہ شبلی کا قابلِ قدر نقد۔

(۵) مقتل عُقبہ کا ایک خاص امتیاز

عُقبہؑ نے بنی امیہ کی اس غلط بیانی کی شدت سے رد کی کہ امامؑ یزید کی بیعت پر (معاذ اللہ) راضی ہو گئے تھے۔ طبری میں اس واقعہ کے متعدد اسناد۔ اسناد کا ضعف، عُقبہ کے اعلانِ حق کا علانے تاریخ پر اثر۔

مقتل عُقبہ بن سمعان کے مضامین

مقتل کا سلسلہ اسناد۔ سفر مدینہ کے وقت امامؑ کو شاہراہ کے علاوہ کوئی راہ اختیار کرنے کا مشورہ۔ امامؑ کا جواب۔ عبد اللہ بن مطیع کا راہ میں امامؑ کو مشورہ کوفہ نہ جائیں حرم میں قیام فرمائیں۔ عہد امامؑ میں استخارہ کا رواج۔ مسلمانوں کا امامؑ سے خطاب میں ایسا انداز جس سے امامؑ کی دلوں میں عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس خیال کی تاریخی قیمت ہے: ”اگر آپ ہلاک کر دیے گئے تو ہم غلام بنا دیے جائیں گے۔“ مکہ میں امامؑ کی ہر دعویٰ یزیدؒ کی زیرِ مصلحت آمیز مشورہ۔ مرگ معاویہ کے بعد اہل کوفہ کا امامؑ کو مکہ میں خط۔ کوفہ کا گورنر۔ امامؑ کے کوفہ روانہ ہوتے وقت ابن عباس کا مشورہ۔ ”حجاز میں قیام کیجئے، یا یمن جائیے یا عورتوں بچوں کو نہ لے جائیے۔“ ابن زبیر کے مشورہ پر امامؑ کی رائے۔ ابن زبیر پر ابن عباس کا طنز۔ مکہ کے گورنر نے طاقت سے امامؑ کو روکنا چاہا۔ تصادم۔ امامؑ کی کامیابی۔ امامؑ پر بغاوت کا الزام، امامؑ نے قرآن کی آیت پڑھی، پانی بھرنے کا حکم قصر بنی مقاتل کے قریب امامؑ کا خواب۔ حضرت علی اکبرؑ کے سوال کا جواب۔ امامؑ

مختصری (۷) نہایت ابن اثیر (۸) تہذیب الاسماء واللغات
نودی (۹) مروج الذهب مسعودی (۱۰) تذکرہ خواص الایمہ
سبط ابن جوزی (۱۱) تہذیب التہذیب ابن حجر (۱۲) مناقب
ابن شہر آشوب (۱۳) بحار مجلسی (۱۴) نضد الضیاح محمد بن محمد
بن مرتضیٰ (۱۵) نسخ التواریخ (۱۶) تنقیح المقال مامغانی
(۱۷) سیرۃ النبی مولانا شبلی (۱۸) حیاۃ محمدؐ ڈاکٹر بیکل۔

مقدمہ

محمد و آل محمدؐ کے غلاموں کی زندگی پر

بحث و نظر کا آغاز

آغاز اسلام سے صدیوں پہلے سے اقوام عالم میں غلام سازی
کا رواج چلا آ رہا تھا۔ عرب میں بھی یہ رواج عام تھا۔ عرب لونڈی
غلام بنانے کے لئے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ (۱) بجائے
اس کے کہ اسلام انسداد غلامی کا قانون اچانک پیش کرتا اس نے
نظام معیشت، عالم معاشرت اور تہذیب و تمدن میں انقلاب پیدا
کرنا شروع کر دیا۔ جنگ کے سوا غلام سازی کے کل طریقوں کو
ناجائز قرار دیا۔ اور ایسے تدابیر اختیار کئے جن سے رفتہ رفتہ غلامی
کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلام کے پاس ابتداء میں نہ تو اتنا سرمایہ تھا
کہ وہ مالکوں کو غلاموں کی قیمت ادا کر کے ان کے ساتھ انصاف
کرتا، اور نہ غلاموں کی معیشت کے لئے اس کے پاس کافی
انتظام تھا۔ دوسری قومیں اسلام سے برسرِ پیکار تھیں۔ غیر مسلم
برابر مسلمانوں کو جنگ میں گرفتار کرتے تھے اور انہیں اپنے
رواج کے مطابق غلام بنا لیتے تھے۔ اسلام کے لئے ضروری تھا
کہ وہ جنگجو اقوام کے مقابلہ میں نقصان کا توازن قائم کرنے کے
لئے صرف جنگ کے موقع پر غلامی کی اجازت دے۔ اسلام نے
جنگ کے علاوہ ہر طرح کی غلامی منسوخ کر دی۔ اسلام نے غلامی
کو صرف ایک جنگی سزا قرار دیا اور یہ سزا بھی عارضی تھی۔ اسلام
سے پہلے دنیا کی قومیں غلامی کو انسان کی مستقل صفت سمجھتی تھیں۔

(۱) ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب ”جنگ اور اسلام“ میں جو چھپ چکی ہے روشنی ڈالی ہے اور مفصل
بحث ہماری غیر مطبوعہ کتاب ”اسلام اور غلامی“ میں ہے لہذا اس موقع پر اختصار سے کام لیا جائے گا۔

کی نماز صبح۔ لشکرِ حرکی امامؐ کے سفر میں مزاحمت، حرکوا بن زیاد کا خط
، جہاں میرا خط ملے حسینؑ پر سختی شروع کرو۔ بے آب و گیاہ مقام
پر ٹھہراؤ۔ میرا قاصد میرے حکم کے نفاذ کی نگرانی کرے گا۔ حر
نے امامؐ کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔ یزید بن زیاد صحابی امامؐ
اور مالک بن نسر قاصد ابن زیاد میں مکالمہ حر سے متعدد مقامات
پر اترنے کے لئے گفتگو۔ حر کا کہنا میں مجبور ہوں۔ زہیر کا امامؐ کو
مشورہ۔ ان سے جنگ آسان ہے۔ یعنی ان کو قتل کرنے کے بعد
راستہ صاف ہو جائے گا اور صورت حال بدل جائے گی۔ امامؐ نے
فرمایا میں لڑائی کی ابتداء نہیں کروں گا۔ امام پنجشنبہ ۲ محرم الحرام
میں کربلا پہنچے۔ ابن سعد کا صبح کو کوفہ سے چار ہزار لشکر کے ساتھ
ورود۔ ابن سعد کو پہلے ابن زیاد نے ”دستے“ میں فوجی کارروائی
کے لیے بھیجا چاہا تھا اس کے لیے فوجی تیاری کی تھی۔ رے کی
حکومت کا پروانہ بھی اُسے دیا تھا کہ اچانک اُسے امامؐ سے جنگ
کے لیے بھیج دیا۔ امامؐ سے جنگ کرنے کے خیال سے ابن سعد کی
ذہنی پریشانی۔ وہ الفاظ قابلِ مطالعہ ہیں جن میں ابن سعد کو امامؐ
سے جنگ نہ کرنے کا لوگوں نے مشورہ دیا۔ عقبہ کے پُر جوش
الفاظ، جن میں بنی امیہ کے اس پروپیگنڈہ کی رد ہے کہ امامؐ
(معاذ اللہ) یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے۔

مقتل کے حواشی: عقبہ کا تلفظ:

حرویز بن مہاصرو ابو مخنف، طبری، شیخ مفید و شیخ طوسی و
ابن شہر آشوب و مامغانی، مولانا شبلی کا تعارف، ابن زیاد، مجاہد
بن سعید اور صعقب کا ذکر فوج یزید کی تعداد کی بحث۔ قبرہ۔ معمر۔
جمع۔ غدر کی تحقیق۔ طرفہ بن عبد کے شعر میں ایک مثل کا بیان
جسے ابن عباس نے ابن زبیر کے سامنے بعض اشعار کے حسب
حال اضافہ کے ساتھ پڑھا تنعیم۔ ثعلبیہ۔ قصر بنی مقاتل،
نینوی۔ غاضریہ شفیہ۔

مصادر بحث

- (۱) تاریخ طبری (۲) کامل ابن اثیر (۳) ارشاد شیخ مفید
- (۴) صحیح بخاری (۵) فہرست طوسی (۶) الفائق فی غریب اللغة

اور انسان کو آزاد و غلام میں تقسیم کرتی تھیں۔ تمدنی و معاشرتی حقوق آزاد سے مخصوص تھے۔ غلام آقا کا ایک سرمایہ تھا جس پر اسے ہر طرح کے تصرف کا اختیار تھا۔

رسول خدا نے اسلامی جنگوں میں زیادہ تر اسیروں کو معاف کر دیا یا جرمانہ لے کر چھوڑ دیا۔ بہت کم قیدی غلام بنائے گئے۔ قرآن وحدیث وفقہ میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کو آزاد کرنے کی سیکڑوں مقامات پر ہدایت کی گئی ہے اور اسے بہترین عمل قرار دیا ہے۔ اسلام نے غلامی کے قدیم تصور کو بدل کر ”برادری“ کا درجہ دیا۔ غلاموں کے انسانی حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ جہاں تک غلامی کی حیثیت سزا کی ہے غلام آزاد میں فرق رکھا۔ لیکن معاشرتی و تمدنی حقوق میں آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں رکھا۔

غلام آزاد کرنے کی متعدد قہری و لازمی صورتیں نکالیں۔ اکثر گناہوں بلکہ بعض چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی تلافی کے لئے غلام کی آزادی کو کفارہ قرار دیا۔ غلاموں کو ہدایت کی کہ اگر وہ خود اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہونا چاہیں تو سعی کریں، اور آقا انہیں آسانی مہیا کریں، ایسے قوانین بنائے کہ غلام خود بخود آزاد ہو جائیں۔

غلام آزاد کرنے کے متعلق رسول خدا کی حدیث ہے من اعتق مو منا اعتق الله بكل عضو منه عضو امن النار (۱) ”جس نے کسی مومن غلام کو آزاد کیا خدا غلام کے ہر عضو کے عوض میں اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا۔“

آزاد ہونے کے بعد غلام آقا کے خاندانی شرف میں الولاء شریک ہوتا تھا۔ اسے اسلام میں ولا کہتے ہیں اسی کے متعلق ہے ”الْوَلَاءُ كُلُّ حِمَّةِ النَّسَبِ“

ولا ایک طرح کی قرابت ہے۔ حدیث رسول ہے۔

مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ

کسی قوم کا آزاد کردہ غلام اسی کی ایک فرد ہوتا ہے۔

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ صدوقی فی ۳/۶۳۶ نزول کشور پریس لکھنؤ

اسلام میں آزادی کے بعد غلام مطلق العنان و با اختیار ہوتا ہے۔ فوج کی قیادت، نماز کی امامت، اندرونی و بیرونی معاملات میں اپنے صوابدید کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اسلام نے غلاموں کی انسانی ترقی، روحانی بلندی اور ذہنی برتری کے لئے جیسی اولوالعزمی سے کام لیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ رسول خدا اور ائمہ معصومین نے کتنے غلام آزاد کئے اور غلاموں کے ساتھ ان کا کیسا بلند سلوک ہوتا تھا اور ان کی بارگاہ کے تربیت یافتہ غلاموں نے دنیا کے سامنے کیا حیرت انگیز کارنامے پیش کئے، یہ تاریخ اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کا زریں موضوع ہے، زید بن حارثہ کو عہد جاہلیت میں ڈاکو پکڑ لائے تھے۔ یہ بازار عکاظ میں بیچے گئے، حکیم بن حزام نے انہیں خرید کر اپنی پھوپھی جناب ام المومنین خدیجہؓ کو دیا اور حضرت خدیجہؓ نے انہیں رسول خدا کو بخشا، ان کا نکاح رسول خدا نے ام ایمن سے کیا، ان سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے دوسرا نکاح ان کا حضرت نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے کر دیا۔ ان سے کتب احادیث میں چار حدیثیں مروی بتائی جاتی ہیں۔ یہ غزوہ موتہ میں ۵ھ میں شہید ہوئے۔ اسامہ بن زید کو رسول خدا نے ۲۰ سال کی عمر میں مہاجرین و انصار کے لشکر کا سردار بنایا۔ محمدؐ و آل محمدؑ کے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اسامہ پر ستر ہزار درہم قرض تھا۔ اس رنج سے وقت مرگ اسامہ عجب کرب و بے چینی میں مبتلا تھے۔ امام حسینؑ نے ان کا اضطراب دیکھ کر اسی وقت قرض ادا فرما دیا۔ رسول خدا کے غلاموں میں ابو فکیہ (نیار) تھے (غزوہ بدر سے پہلے انتقال ہو گیا) ابو کبشہ (۳۱ھ) بلال بن رباح حبشی (۳۰ھ) صہیب بن سنان (۳۸ھ) ابو رافع (عہد امیر المومنین میں انتقال ہوا) عمار یاسر (جنگ صفین میں شہید ہوئے) ثوبان بن جحد (۳۴ھ) وغیرہ کی زندگی کا مطالعہ کئی جہت سے اہمیت رکھتا ہے۔

ان کی زندگی کے مطالعہ سے رسول خدا کے اخلاق کے بہت سے واقعات پر ہمیں اطلاع ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا

عقبہ (۱) بن سمعان کا تعارف

کسی مورخ نے عقبہ بن سمعان کی ابتدائی حالت بیان نہیں کی، نہ ان کا پتہ دیا اور نہ مولد و مسکن پر روشنی ڈالی۔ عقبہ کی تاریخی زندگی امام حسینؑ کی مدینہ سے ہجرت پر شروع ہوتی ہے۔ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک عقبہ کا نام تاریخ میں مختلف موقعوں پر آتا ہے عقبہ کی دور بین نگاہ نے امامؑ کی زندگی سے جو نور حاصل کیا تھا۔ اسے شہادت کے بعد عام طور پر پھیلا دیا۔ جس کو کربلا کے واقعہ کا مشتاق پایا اس کے سامنے کربلا کے واقعہ کی تصویر لفظوں میں رکھ دی۔

عام تاریخوں میں عقبہ کا تعارف جناب ربابؒ (زوجہ امام حسینؑ) کے غلام کی حیثیت سے ہے۔

اور صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ کے والد کا نام سمعان تھا۔ اس سے زیادہ نسب کا سلسلہ درج نہیں، لیکن ان کے ذاتی خدمات نے ان کی شخصیت کی تعمیر کی۔ اس لئے ان کا تعارف حسب نسب کا محتاج نہیں۔ وہ اگرچہ غلام تھے۔ لیکن جناب سید الشہداء امام حسینؑ کی صحبت کا فیض حاصل ہوا۔ وہ آزاد اور شریف انسانوں کا سا ضمیر رکھتے تھے۔ انہیں اعلیٰ مقاصد کی اہمیت کا احساس تھا اور وقت کی صحیح قیمت لگانا جانتے تھے۔ ان میں وفا کی روح، صدق و صفا کا جوہر، سچائی کا جذبہ اور حق کی تلاش کا شوق اتنا تھا۔ کہ اپنی منصبی مشغولیت کے باوجود اپنی ہستی کے لئے ایک بلند مقام تیار کر سکے۔ عقبہ جب تک امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ حضرت کے ہر قول و فعل پر ان کی نگاہ تھی۔ ایسی نگاہ جو ایک مخلص، وفادار اور عقیدت مند کی سرمایہ شرف ہوتی ہے۔ ایسی نگاہ جو ایک سیرت نگار اور ایک مورخ کی قیمتی پونجی ہے۔

۱۔ محمد بن محمد مرتضیٰ علم الہدیٰ نے ضد الايضاح ص ۲۰۷ میں عقبہ بن محرز کے بیان میں عقبہ کے تلفظ پر لکھا ہے۔ عقبہ بضم العین و اسکان القاف علامہ جمال الدین ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی کی ایک کتاب ہے۔ ایضاح الاشتباه فی اسماء الرواۃ ضد الايضاح کے مولف نے دوبارہ اس کتاب کو مرتب کیا ہے اور جو اضافہ کیا ہے اسے اقوال لکھ کر ظاہر کیا ہے ضد الايضاح کا زمانہ تالیف ۷۰۷ھ ہے۔ یہ فہرست طوسی کے ساتھ ۱۲۷ھ میں چھپی ہے۔ الویل سپرنگر اور مولوی عبدالحق نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ۲۔ جناب رباب پر ہمارا مضمون ہے جو کربلا حصہ دوم میں شائع ہوگا۔

ہے کہ ایک ترقی یافتہ ماحول میں پست سے پست تر انسان کو ترقی کے کتنے مواقع ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم کو ائمہ معصومینؑ کے غلاموں اور کنیزوں کے حالات کے مطالعہ سے بڑا فائدہ ہوگا۔ علمی و ادبی و تاریخی مسائل اس قدر ان کی زندگی سے وابستہ ہیں جن کی واقفیت سے ہم پر انسانی ترقی کے بہت سے دروازے کھل سکتے ہیں۔

کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ جن غلاموں نے جام شہادت نوش کیا ان سے واقفیت حاصل کرنا دنیا کے انسانیت کا بڑا شرف ہے۔

اسلم بن عمرو۔ جون بن حوی، حرث بن نہاں، رافع بن عبد اللہ، سالم، سعد بن حارث، سعد غلام عمرو بن خالد، سلیمان بن ابی سلیمان، شبیب، قارب، مسیح بن سہم، نصر بن ابی سیرز، کربلا کے شہید غلاموں پر کام کرنا ہمارا فرض ہے۔ حضرت عقبہ بن سمعان بھی کربلا کے صاحب فضیلت و شرف غلام تھے۔ اگرچہ آپ شہید نہ ہو سکے لیکن آپ نے واقعہ کربلا کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر کے دنیا کے تاریخ میں قابل قدر مقام حاصل کیا۔

ہماری دلی خواہش تھی کہ ہم محمدؐ و آل محمدؑ کے غلاموں پر اپنے معلومات قوم کے سامنے پیش کریں۔ آج حضرت عقبہ سے اس اہم کام کا آغاز کیا جاتا ہے۔ توفیق خدا جس کے شامل حال ہوگی اس کے ذریعہ سے یہ قابل فخر خدمت انجام پائے گی۔

خادم دین و ملت

مجتبیٰ حسن کامونپوری

(مختص تاریخ و اخلاق و علوم)

جدیدہ، ازہر یونیورسٹی مصر، استاد

علوم مشرقیہ لکھنؤ یونیورسٹی)

باغ مکہ لکھنؤ۔ یکم جنوری ۱۹۵۱ء



طرح بیان کرنا اپنا شغل بنالیا تھا۔

(۴) عقبہ گربلا کے واقعات کے ماخذ اور مصدر ہیں۔

شیخ طوسیؒ کا اپنے رجال میں یہ تصریح کرنا کہ عقبہ امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کو رشک کیلئے قابل فضیلت ہے۔ ہر شخص کا یہ نصیب کہاں کہ وہ امام کے اصحاب کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔ شیخ طوسیؒ بہ نسبت ہمارے عقبہ سے قریب تر تھے۔ انہوں نے قدیم ترین مصادر سے یہ رائے قائم کی۔ شیخ طوسیؒ علم رجال کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ان کا عقبہ کو امام کا صحابی کہنا عقبہ کی سیکڑوں خوبیوں کی ضمانت ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ امام کے امین تھے۔ امام اکثر ضرورتوں میں ان کو یاد فرماتے تھے جیسا کہ طبری نے حرکی فوج سے امام کی گفتگو کے ذیل میں لکھا ہے کہ امام نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ان لوگوں کے خطوں کے دونوں تھیلے مرے پاس اٹھلاؤ۔

یہ مضمون تاریخ کی اور کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی نظر میں عقبہ اعتماد کے قابل تھے۔ کیوں کہ خطوط وغیرہ ایک راز دار اور امین کی ہی حفاظت میں رکھے جاسکتے ہیں۔ اگر امام عقبہ کو بھروسہ کے قابل اور معتبر نہ سمجھتے تو عوام کے پیش رو لوگوں کے خطوط انہیں سپرد نہ فرماتے۔

مناقب ابن (۱) شہر آشوب میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے عقبہ سے جو آپ کے اصحاب میں سے تھے یہ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے خطوں کے دونوں تھیلے لاؤ۔ علامہ شہر آشوب کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عقبہ کو اصحاب کے زمرے میں شمار کرتے تھے۔

طبری ۶/۲۴۳ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک موقع پر حضرت نے سواری ٹھہرائی اور عقبہ کو اس کے باندھنے کا حکم دیا۔ غرض ان تمام امور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقبہ امام کے مخصوص لوگوں میں

(۱) محمد بن علی بن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ فقیہ و شاعر و ادیب صاحب کتاب الرجال۔ کتاب انساب آل ابی طالب مناقب آل ابی طالب۔ معالم العلماء (تنقیح المقال مامغانی ۳/۱۵۷) بدیع الاحباب عباس محمد رضا ص ۶۰۹

اسی لئے عقبہ کی زندگی کا کارنامہ موجود ہے، اور اس کو ہمیشہ باقی رہنے کی عزت حاصل ہو چکی۔ جس طرح زلزلوں اور طوفانوں سے بے اندازہ نقصان ہوتے ہیں لیکن بہت سی پوشیدہ اور نہ نشین نایاب چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کربلا میں جو ہولناک واقعہ ہوا، اس کا ایک تاریک رخ یہ تھا کہ دنیا کے بہترین انسان تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ اور دوسرا نورانی رخ یہ ہے کہ اس موقع پر سیکڑوں اعلیٰ انسانی کمالات نے جلوہ آرائی کی۔ اور ہم ایسے انسانوں سے واقف ہوئے جن کی مثالیں ہزاروں برس کی تاریخ میں معدوم ہیں۔ عقبہ بن سمعان کی ذات بھی کربلا کا ایک تحفہ ہے۔ ایسا باریک بین، نقاد اور حق پرست و قانع نگار تاریخ کے لئے ایک نعمت ہے۔ انہیں اسلام کی تاریخ کے لئے بجا طور پر ”نعمت غیر مترقبہ“ کہا جاسکتا ہے۔

عقبہ کے قدردان:

علامہ (۱) مامغانی نے عقبہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں سے صرف چند باتیں عقبہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:

(۱) شیخ طوسیؒ (۲) نے اپنے رجال میں عقبہ کو امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

(۲) مشہور مورخین (طبری وغیرہ) نے عقبہ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ جناب رباب کے غلام تھے۔

(۳) کربلا کا واقعہ جس طرح رونما ہوا۔ عقبہ نے اسی

(۱) تنقیح المقال، مامغانی ج ۲ / ۲۵۴ مطبوعہ عراق ۱۳۵۰ھ مطبع مرتضوی محمد صادق۔ علامہ مامغانی متوفی ۱۳۵۱ھ رجال میں بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے، ان کے والد بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ۳/۱۰۵ تنقیح المقال (۲) شیخ طوسیؒ محمد بن حسن بن علی طوسی ابو جعفر مولود ۳۸۵ھ متوفی ۴۶۰ھ اخبار رجال وفقہ و اصول و کلام و ادب کے عالم تھے۔ شیخ مفید کے شاگرد تھے۔ ہر فن میں ان کے تصانیف ہیں۔ تہذیب الاحکام کتاب الاستبصار، کتاب النہایہ، المصنف فی الاماتہ، تلخیص کتاب الشافعی، مختصر الایسغ المکلف الاغلاط، کتاب العدة (اصول میں) کتاب الرجال من روی عن النبی وعن الایمہ الاثنا عشر ومن تافرنہم۔ فہرست کتب الشیعہ۔ کتاب المبسوط (فقہ) کتاب ما یعلل وما لا یعلل۔ کتاب الجمل والعقود (عبادات) کتاب الایجاز فی الفرائض وغیرہ کے مصنف ہیں۔ ان کے مفصل حالات دیکھئے ۳/۱۰۴ تنقیح المقال تصنیف حضرت علامہ مامغانی۔

سے تھے اور آپ کے اہم معاملات ان سے متعلق تھے۔

عقبہ کس طرح زندہ رہے

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اہل بیت کے قید کئے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو فوج نے عقبہؑ کو بھی گرفتار کر لیا۔ ابن سعد کا سامنا ہوا تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟ عقبہؑ نے کہا میں حضرت ربابؑ کا غلام ہوں جس پر ان کو چھوڑ دیا۔

طبری (۶/۲۶۱) سے اس کی تائید ہوتی ہے، جو ذیل میں درج ہے کہ عمر بن سعد نے عقبہ بن سمعان کو جو جناب ربابؑ (زوجہ امام حسینؑ) کے غلام تھے گرفتار کر لیا۔ ابن سعد نے پوچھا: تم کون ہو؟ عقبہ نے کہا میں غلام ہوں۔ جس پر ابن سعد نے ان کو چھوڑ دیا۔ طبری نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ امامؑ کی جماعت میں عقبہ کے سوا کوئی نہ بچا۔ ہاں موقع بن ثمامہ اسدی گھٹنے ٹیک کر جہاد کر رہے تھے (۱) کہ ان کی قوم آگئی اور کہا تمہیں امان ہے۔ ہمارے ساتھ چلو (اور اپنے ساتھ لے گئے) عقبہ نے رہائی کے بعد نہ تو گوشہ نشینی اختیار کی، نہ اپنے لبوں پر خاموشی کی مہر لگائی اور نہ حکومت کا ساتھ دیا۔ بلکہ کربلا کا واقعہ بیان کرتے رہتے تھے، جس سے واقعہ کے نقوش ابھرے اور راویوں نے ان کے ذریعہ سے کربلا کے واقعات مرتب کئے۔

اگر عقبہؑ کربلا کے میدان میں شہید ہو جاتے تو بے شک ایک بہت بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتے۔ لیکن قدرت نے ان سے کربلا کے واقعات کی اشاعت کے شاندار کام لئے۔ اور اگرچہ انہوں نے لوہے کی تلوار سے جہاد نہیں کیا لیکن زبان کی تلوار سے متواتر جہاد کرتے رہے، جس طرح کربلا کے واقعہ سے پہلے وہ امامؑ کے بھروسہ کے آدمی تھے۔ بعد میں بھی وہ وفادار غلام کی طرح امامؑ کی خدمت کرتے رہے۔

عاشور کی رات جب امامؑ نے اپنے سب ساتھیوں کو خواہ وہ عزیز تھے یا انصار آزاد تھے یا غلام جان کی حفاظت کی اجازت

ابن زیاد نے اُن کو زارہ میں بھیج دیا۔ یہ عمان میں ایک مقام ہے یہاں جلا وطن قیدی بھیجے جاتے تھے۔ موقع بن ثمامہ بن اثالی اسدی صیدادی کے حالات دیکھو مامغانی ۳/۲۶۰

دے دی تو عقبہؑ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوئے جنہوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن وہ عاشور کے دن شہید بھی نہیں ہوئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیوں شہید نہیں ہوئے۔

اس بحث کا فیصلہ کرنا بہت ہی آسان ہے کیوں کہ تمام واقعات کافی روشنی میں سامنے آچکے ہیں کہ عقبہؑ پر امامؑ کو وثوق تھا۔ وہ امامؑ کی نظر میں معتبر تھے۔ اور امامؑ کی ذاتی خدمت کرتے تھے۔ سربراہ اور ذمہ دار لوگوں کے خطوط بھی عقبہؑ کو سپرد رہتے تھے۔ آج کل کے زمانہ میں بڑے آدمیوں کے اس قسم کے کام کرنے والے لوگ پرائیوٹ سکرٹیٹری کہے جاتے ہیں۔ کانفیڈنشل کلرک یا پرسنل کلرک یا کیمپ کلرک کہلاتے ہیں جس سے عقبہؑ کے خدمات کی نوعیت پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ عقبہؑ عاشور کی رات کو بھی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اور عاشور کے دن میں بھی امامؑ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور شہادت کے بعد دشمن کی فوج نے انہیں گرفتار بھی کر لیا تھا۔ ان تمام امور کے ساتھ یہ واقعات بھی پورے طور پر ثابت ہیں کہ کربلا کے واقعہ کے بعد عقبہؑ عمر بھر پوری وفاداری اور دیانت داری کے ساتھ سچی خدمت کا حق ادا کرتے رہے۔ ان واقعات سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص ضرورت نے عقبہؑ کو جہاد میں شامل ہونے سے روکا۔ لیکن اس ضرورت کا اظہار نہ تو امام حسینؑ نے فرمایا نہ امام زین العابدینؑ نے اور نہ امام محمد باقرؑ نے اور نہ اہل بیتؑ میں سے کسی اور نے، اور خود عقبہؑ نے بھی ساری عمر اس امر کی طرف کبھی کوئی اشارہ نہیں کیا۔

تمام ذمہ دار لوگوں نے اس کو ایک راز سمجھا اور اس کا ذکر تک نہیں لائے۔ اور جب حالت یہ ہے تو ہم نہیں جانتے کہ امامؑ کے کسی ذاتی راز کے معلوم کر لینے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے۔ البتہ واقعات کی بنا پر ہم کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ سے امامؑ کی ہجرت تک عقبہؑ کی زندگی راز میں ہے، اور ان کا شہید نہ ہونا بھی ایک راز ہے۔ اور خود عقبہؑ امام حسینؑ کے راز دار اور اسرار

کے حافظ و حامل اور نہایت معتبر اور معتمد شخص تھے۔

یہ بالکل صاف ہے کہ حضرت امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت امام محمد باقرؑ اور تمام اہل بیتؑ خصوصاً جناب ربابؑ نے شکایت کا کوئی حرف اپنی زبان پر جاری نہیں فرمایا اور اگلے علماء نے بھی کبھی کوئی شک و شبہ ظاہر نہیں کیا تو سیکڑوں برس کے بعد غیر ذمہ دار لوگ کس طرح کوئی اعتراض پیدا کر سکتے ہیں۔ علماء کے حالات یہ ہیں کہ شیخ طوسیؒ نے عقبہؑ کو امام حسینؑ کے اصحاب کی صف میں شمار کیا اور شیخ مفیدؒ اور ابن طاووسؒ نے شہیدان کر بلا کے ساتھ عقبہؑ پر سلام بھیجا۔

علامہ مجلسی بھی سلام بھیجنے میں شامل ہیں۔ چنانچہ بحار جلد ۲۲ ص ۲۵۴ کتاب زیارات میں اعمال (۱) کے سلسلہ میں امام حسینؑ اور دوسرے اماموں کی زیارتوں کے بعد یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ پھر زائر شہیدوں کی طرف متوجہ ہوں اور سعید بن عبد اللہ، حر بن یزید ریاحی، زہیر بن قین، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور عقبہ بن سمعانؑ پر سلام کرے۔

ان تمام امور سے نہ صرف حقیقت بے نقاب ہوتی ہے بلکہ یہ پورے طور پر ثابت ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء جو دین کے ستون کہے جاتے ہیں عقبہؑ کی تعریف و توصیف میں تر زبان ہیں اور ان کی نظر میں عقبہؑ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ وہ زیارات میں انہیں شہیدوں میں شامل کرتے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تاناہ بخشد خدائے بخشنده

صرف اس بات پر اعتراض کہ عقبہؑ کیوں زندہ رہے غلطی ہے۔ زندگی جب اللہ کے لئے ہو اور موت جب اللہ کے لئے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ عاشور کے دن صرف اکیسے عقبہؑ زندہ نہیں رہے بلکہ موقع بن تمامہ جہاد کرنے کے باوجود بھی زندہ رہے، اور حسن مثنیٰ نے جہاد بھی کیا اور سخت زخمی بھی ہوئے لیکن پھر بھی زندہ رہ گئے اس لئے عقبہؑ کا زندہ رہ جانا کوئی قابل

(۱) شب کیم رجب و پاؤں دم شعبان

اعتراض امر نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقبہؑ امام کی طرف سے مامور تھے کہ وہ زندہ رہیں اور بعد شہادت امامؑ اپنا فرض انجام دیں۔

عقبہ بن سمعانؑ کے مقتل کا مآخذ

عقبہ بن سمعانؑ کا جو مقتل اس وقت پیش کیا جا رہا ہے اسے عقبہؑ نے خود ترتیب نہیں دیا نہ کبھی کسی نے اسے مقتل کے نام سے یاد کیا۔ ہمارے علم میں ابھی تک اس سلسلے میں انہوں نے جو بیان کیا ہے اس تک رسائی نہیں ہوئی۔ یہ ان کی ایک نشست کا بیان ہے۔ جسے راویوں نے ہم تک پہنچایا ہے۔ اس کے مختلف ٹکڑے جمع کر کے اسے مقتل کی شکل دے دی اور اس کا نام ”مقتل عقبہ بن سمعانؑ“ رکھا ہے۔ وہ ہمیں تاریخ الرسل والملوک مؤلفہ، ابو جعفر محمد ابن جریر طبری (۱) میں ملا ہے۔ طبری میں یہ مقتل دو سندوں سے منقول ہے یعنی عقبہ بن سمعانؑ نے (۱) عبد الرحمن بن جندب ازدی سے کہا اور (۲) حارث بن کعب دالمی سے کہا۔ ان دونوں نے ابو مخنف کو بتلایا۔ ابو مخنف نے ہشام (۲) کو سنایا طبری ہشام سے روایت کرتے ہیں۔ طبری (۳) بڑے مشہور شخص ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ مختلف علوم میں ان کے تصانیف ہیں۔ انہوں نے اپنی تاریخ کی بنا اسناد پر رکھی ہے۔ ایک واقعہ کو کئی سلسلوں سے بیان کرتے ہیں جن سے تحقیق کرنے والوں کو بحث و نظر میں کافی مدد ملتی ہے۔

اگرچہ اسلامی تاریخ کی ہر مبسوط کتاب میں واقعہ کر بلا کے سلسلہ میں عقبہؑ کا ذکر عموماً آتا ہے۔ لیکن پھر مورخین اجمال و اختصار کی طرف مائل ہو گئے۔ اور اسناد کے سلسلہ کا رواج جاتا رہا۔ اس لئے دوسرے واقعات کی طرح کر بلا کے واقعہ میں بھی اختصار نظر آنے لگا اور طبری کے سوا کسی دوسری تالیف میں عقبہؑ کا اتنا مفصل بیان نہیں ملتا جو کر بلا کے حادثہ کے آغاز اور انجام پر جاری ہو۔ غرض عقبہؑ کے مقتل کا سب سے بڑا حصہ صرف طبری ہی کے ذریعہ سے ہمیں ملتا ہے اور دوسرے مورخین عقبہؑ کے مقتل کے

۱۔ تاریخ طبری، حیدر، مطبوعہ مطبعہ یورپ ص ۲۳۲/۲۳۳ ص ۲۴۳/۲۴۴ ص ۲۴۶/۲۴۷ ص ۲۴۸/۲۴۹ ص ۲۵۰/۲۵۱ ص ۲۵۲/۲۵۳ ص ۲۵۴/۲۵۵ ص ۲۵۶/۲۵۷ ص ۲۵۸/۲۵۹ ص ۲۶۰/۲۶۱ ص ۲۶۲/۲۶۳ ص ۲۶۴/۲۶۵ ص ۲۶۶/۲۶۷ ص ۲۶۸/۲۶۹ ص ۲۷۰/۲۷۱ ص ۲۷۲/۲۷۳ ص ۲۷۴/۲۷۵ ص ۲۷۶/۲۷۷ ص ۲۷۸/۲۷۹ ص ۲۸۰/۲۸۱ ص ۲۸۲/۲۸۳ ص ۲۸۴/۲۸۵ ص ۲۸۶/۲۸۷ ص ۲۸۸/۲۸۹ ص ۲۹۰/۲۹۱ ص ۲۹۲/۲۹۳ ص ۲۹۴/۲۹۵ ص ۲۹۶/۲۹۷ ص ۲۹۸/۲۹۹ ص ۳۰۰/۳۰۱ ص ۳۰۲/۳۰۳ ص ۳۰۴/۳۰۵ ص ۳۰۶/۳۰۷ ص ۳۰۸/۳۰۹ ص ۳۱۰/۳۱۱ ص ۳۱۲/۳۱۳ ص ۳۱۴/۳۱۵ ص ۳۱۶/۳۱۷ ص ۳۱۸/۳۱۹ ص ۳۲۰/۳۲۱ ص ۳۲۲/۳۲۳ ص ۳۲۴/۳۲۵ ص ۳۲۶/۳۲۷ ص ۳۲۸/۳۲۹ ص ۳۳۰/۳۳۱ ص ۳۳۲/۳۳۳ ص ۳۳۴/۳۳۵ ص ۳۳۶/۳۳۷ ص ۳۳۸/۳۳۹ ص ۳۴۰/۳۴۱ ص ۳۴۲/۳۴۳ ص ۳۴۴/۳۴۵ ص ۳۴۶/۳۴۷ ص ۳۴۸/۳۴۹ ص ۳۵۰/۳۵۱ ص ۳۵۲/۳۵۳ ص ۳۵۴/۳۵۵ ص ۳۵۶/۳۵۷ ص ۳۵۸/۳۵۹ ص ۳۶۰/۳۶۱ ص ۳۶۲/۳۶۳ ص ۳۶۴/۳۶۵ ص ۳۶۶/۳۶۷ ص ۳۶۸/۳۶۹ ص ۳۷۰/۳۷۱ ص ۳۷۲/۳۷۳ ص ۳۷۴/۳۷۵ ص ۳۷۶/۳۷۷ ص ۳۷۸/۳۷۹ ص ۳۸۰/۳۸۱ ص ۳۸۲/۳۸۳ ص ۳۸۴/۳۸۵ ص ۳۸۶/۳۸۷ ص ۳۸۸/۳۸۹ ص ۳۹۰/۳۹۱ ص ۳۹۲/۳۹۳ ص ۳۹۴/۳۹۵ ص ۳۹۶/۳۹۷ ص ۳۹۸/۳۹۹ ص ۴۰۰/۴۰۱ ص ۴۰۲/۴۰۳ ص ۴۰۴/۴۰۵ ص ۴۰۶/۴۰۷ ص ۴۰۸/۴۰۹ ص ۴۱۰/۴۱۱ ص ۴۱۲/۴۱۳ ص ۴۱۴/۴۱۵ ص ۴۱۶/۴۱۷ ص ۴۱۸/۴۱۹ ص ۴۲۰/۴۲۱ ص ۴۲۲/۴۲۳ ص ۴۲۴/۴۲۵ ص ۴۲۶/۴۲۷ ص ۴۲۸/۴۲۹ ص ۴۳۰/۴۳۱ ص ۴۳۲/۴۳۳ ص ۴۳۴/۴۳۵ ص ۴۳۶/۴۳۷ ص ۴۳۸/۴۳۹ ص ۴۴۰/۴۴۱ ص ۴۴۲/۴۴۳ ص ۴۴۴/۴۴۵ ص ۴۴۶/۴۴۷ ص ۴۴۸/۴۴۹ ص ۴۵۰/۴۵۱ ص ۴۵۲/۴۵۳ ص ۴۵۴/۴۵۵ ص ۴۵۶/۴۵۷ ص ۴۵۸/۴۵۹ ص ۴۶۰/۴۶۱ ص ۴۶۲/۴۶۳ ص ۴۶۴/۴۶۵ ص ۴۶۶/۴۶۷ ص ۴۶۸/۴۶۹ ص ۴۷۰/۴۷۱ ص ۴۷۲/۴۷۳ ص ۴۷۴/۴۷۵ ص ۴۷۶/۴۷۷ ص ۴۷۸/۴۷۹ ص ۴۸۰/۴۸۱ ص ۴۸۲/۴۸۳ ص ۴۸۴/۴۸۵ ص ۴۸۶/۴۸۷ ص ۴۸۸/۴۸۹ ص ۴۹۰/۴۹۱ ص ۴۹۲/۴۹۳ ص ۴۹۴/۴۹۵ ص ۴۹۶/۴۹۷ ص ۴۹۸/۴۹۹ ص ۵۰۰/۵۰۱ ص ۵۰۲/۵۰۳ ص ۵۰۴/۵۰۵ ص ۵۰۶/۵۰۷ ص ۵۰۸/۵۰۹ ص ۵۱۰/۵۱۱ ص ۵۱۲/۵۱۳ ص ۵۱۴/۵۱۵ ص ۵۱۶/۵۱۷ ص ۵۱۸/۵۱۹ ص ۵۲۰/۵۲۱ ص ۵۲۲/۵۲۳ ص ۵۲۴/۵۲۵ ص ۵۲۶/۵۲۷ ص ۵۲۸/۵۲۹ ص ۵۳۰/۵۳۱ ص ۵۳۲/۵۳۳ ص ۵۳۴/۵۳۵ ص ۵۳۶/۵۳۷ ص ۵۳۸/۵۳۹ ص ۵۴۰/۵۴۱ ص ۵۴۲/۵۴۳ ص ۵۴۴/۵۴۵ ص ۵۴۶/۵۴۷ ص ۵۴۸/۵۴۹ ص ۵۵۰/۵۵۱ ص ۵۵۲/۵۵۳ ص ۵۵۴/۵۵۵ ص ۵۵۶/۵۵۷ ص ۵۵۸/۵۵۹ ص ۵۶۰/۵۶۱ ص ۵۶۲/۵۶۳ ص ۵۶۴/۵۶۵ ص ۵۶۶/۵۶۷ ص ۵۶۸/۵۶۹ ص ۵۷۰/۵۷۱ ص ۵۷۲/۵۷۳ ص ۵۷۴/۵۷۵ ص ۵۷۶/۵۷۷ ص ۵۷۸/۵۷۹ ص ۵۸۰/۵۸۱ ص ۵۸۲/۵۸۳ ص ۵۸۴/۵۸۵ ص ۵۸۶/۵۸۷ ص ۵۸۸/۵۸۹ ص ۵۹۰/۵۹۱ ص ۵۹۲/۵۹۳ ص ۵۹۴/۵۹۵ ص ۵۹۶/۵۹۷ ص ۵۹۸/۵۹۹ ص ۶۰۰/۶۰۱ ص ۶۰۲/۶۰۳ ص ۶۰۴/۶۰۵ ص ۶۰۶/۶۰۷ ص ۶۰۸/۶۰۹ ص ۶۱۰/۶۱۱ ص ۶۱۲/۶۱۳ ص ۶۱۴/۶۱۵ ص ۶۱۶/۶۱۷ ص ۶۱۸/۶۱۹ ص ۶۲۰/۶۲۱ ص ۶۲۲/۶۲۳ ص ۶۲۴/۶۲۵ ص ۶۲۶/۶۲۷ ص ۶۲۸/۶۲۹ ص ۶۳۰/۶۳۱ ص ۶۳۲/۶۳۳ ص ۶۳۴/۶۳۵ ص ۶۳۶/۶۳۷ ص ۶۳۸/۶۳۹ ص ۶۴۰/۶۴۱ ص ۶۴۲/۶۴۳ ص ۶۴۴/۶۴۵ ص ۶۴۶/۶۴۷ ص ۶۴۸/۶۴۹ ص ۶۵۰/۶۵۱ ص ۶۵۲/۶۵۳ ص ۶۵۴/۶۵۵ ص ۶۵۶/۶۵۷ ص ۶۵۸/۶۵۹ ص ۶۶۰/۶۶۱ ص ۶۶۲/۶۶۳ ص ۶۶۴/۶۶۵ ص ۶۶۶/۶۶۷ ص ۶۶۸/۶۶۹ ص ۶۷۰/۶۷۱ ص ۶۷۲/۶۷۳ ص ۶۷۴/۶۷۵ ص ۶۷۶/۶۷۷ ص ۶۷۸/۶۷۹ ص ۶۸۰/۶۸۱ ص ۶۸۲/۶۸۳ ص ۶۸۴/۶۸۵ ص ۶۸۶/۶۸۷ ص ۶۸۸/۶۸۹ ص ۶۹۰/۶۹۱ ص ۶۹۲/۶۹۳ ص ۶۹۴/۶۹۵ ص ۶۹۶/۶۹۷ ص ۶۹۸/۶۹۹ ص ۷۰۰/۷۰۱ ص ۷۰۲/۷۰۳ ص ۷۰۴/۷۰۵ ص ۷۰۶/۷۰۷ ص ۷۰۸/۷۰۹ ص ۷۱۰/۷۱۱ ص ۷۱۲/۷۱۳ ص ۷۱۴/۷۱۵ ص ۷۱۶/۷۱۷ ص ۷۱۸/۷۱۹ ص ۷۲۰/۷۲۱ ص ۷۲۲/۷۲۳ ص ۷۲۴/۷۲۵ ص ۷۲۶/۷۲۷ ص ۷۲۸/۷۲۹ ص ۷۳۰/۷۳۱ ص ۷۳۲/۷۳۳ ص ۷۳۴/۷۳۵ ص ۷۳۶/۷۳۷ ص ۷۳۸/۷۳۹ ص ۷۴۰/۷۴۱ ص ۷۴۲/۷۴۳ ص ۷۴۴/۷۴۵ ص ۷۴۶/۷۴۷ ص ۷۴۸/۷۴۹ ص ۷۵۰/۷۵۱ ص ۷۵۲/۷۵۳ ص ۷۵۴/۷۵۵ ص ۷۵۶/۷۵۷ ص ۷۵۸/۷۵۹ ص ۷۶۰/۷۶۱ ص ۷۶۲/۷۶۳ ص ۷۶۴/۷۶۵ ص ۷۶۶/۷۶۷ ص ۷۶۸/۷۶۹ ص ۷۷۰/۷۷۱ ص ۷۷۲/۷۷۳ ص ۷۷۴/۷۷۵ ص ۷۷۶/۷۷۷ ص ۷۷۸/۷۷۹ ص ۷۸۰/۷۸۱ ص ۷۸۲/۷۸۳ ص ۷۸۴/۷۸۵ ص ۷۸۶/۷۸۷ ص ۷۸۸/۷۸۹ ص ۷۹۰/۷۹۱ ص ۷۹۲/۷۹۳ ص ۷۹۴/۷۹۵ ص ۷۹۶/۷۹۷ ص ۷۹۸/۷۹۹ ص ۸۰۰/۸۰۱ ص ۸۰۲/۸۰۳ ص ۸۰۴/۸۰۵ ص ۸۰۶/۸۰۷ ص ۸۰۸/۸۰۹ ص ۸۱۰/۸۱۱ ص ۸۱۲/۸۱۳ ص ۸۱۴/۸۱۵ ص ۸۱۶/۸۱۷ ص ۸۱۸/۸۱۹ ص ۸۲۰/۸۲۱ ص ۸۲۲/۸۲۳ ص ۸۲۴/۸۲۵ ص ۸۲۶/۸۲۷ ص ۸۲۸/۸۲۹ ص ۸۳۰/۸۳۱ ص ۸۳۲/۸۳۳ ص ۸۳۴/۸۳۵ ص ۸۳۶/۸۳۷ ص ۸۳۸/۸۳۹ ص ۸۴۰/۸۴۱ ص ۸۴۲/۸۴۳ ص ۸۴۴/۸۴۵ ص ۸۴۶/۸۴۷ ص ۸۴۸/۸۴۹ ص ۸۵۰/۸۵۱ ص ۸۵۲/۸۵۳ ص ۸۵۴/۸۵۵ ص ۸۵۶/۸۵۷ ص ۸۵۸/۸۵۹ ص ۸۶۰/۸۶۱ ص ۸۶۲/۸۶۳ ص ۸۶۴/۸۶۵ ص ۸۶۶/۸۶۷ ص ۸۶۸/۸۶۹ ص ۸۷۰/۸۷۱ ص ۸۷۲/۸۷۳ ص ۸۷۴/۸۷۵ ص ۸۷۶/۸۷۷ ص ۸۷۸/۸۷۹ ص ۸۸۰/۸۸۱ ص ۸۸۲/۸۸۳ ص ۸۸۴/۸۸۵ ص ۸۸۶/۸۸۷ ص ۸۸۸/۸۸۹ ص ۸۹۰/۸۹۱ ص ۸۹۲/۸۹۳ ص ۸۹۴/۸۹۵ ص ۸۹۶/۸۹۷ ص ۸۹۸/۸۹۹ ص ۹۰۰/۹۰۱ ص ۹۰۲/۹۰۳ ص ۹۰۴/۹۰۵ ص ۹۰۶/۹۰۷ ص ۹۰۸/۹۰۹ ص ۹۱۰/۹۱۱ ص ۹۱۲/۹۱۳ ص ۹۱۴/۹۱۵ ص ۹۱۶/۹۱۷ ص ۹۱۸/۹۱۹ ص ۹۲۰/۹۲۱ ص ۹۲۲/۹۲۳ ص ۹۲۴/۹۲۵ ص ۹۲۶/۹۲۷ ص ۹۲۸/۹۲۹ ص ۹۳۰/۹۳۱ ص ۹۳۲/۹۳۳ ص ۹۳۴/۹۳۵ ص ۹۳۶/۹۳۷ ص ۹۳۸/۹۳۹ ص ۹۴۰/۹۴۱ ص ۹۴۲/۹۴۳ ص ۹۴۴/۹۴۵ ص ۹۴۶/۹۴۷ ص ۹۴۸/۹۴۹ ص ۹۵۰/۹۵۱ ص ۹۵۲/۹۵۳ ص ۹۵۴/۹۵۵ ص ۹۵۶/۹۵۷ ص ۹۵۸/۹۵۹ ص ۹۶۰/۹۶۱ ص ۹۶۲/۹۶۳ ص ۹۶۴/۹۶۵ ص ۹۶۶/۹۶۷ ص ۹۶۸/۹۶۹ ص ۹۷۰/۹۷۱ ص ۹۷۲/۹۷۳ ص ۹۷۴/۹۷۵ ص ۹۷۶/۹۷۷ ص ۹۷۸/۹۷۹ ص ۹۸۰/۹۸۱ ص ۹۸۲/۹۸۳ ص ۹۸۴/۹۸۵ ص ۹۸۶/۹۸۷ ص ۹۸۸/۹۸۹ ص ۹۹۰/۹۹۱ ص ۹۹۲/۹۹۳ ص ۹۹۴/۹۹۵ ص ۹۹۶/۹۹۷ ص ۹۹۸/۹۹۹ ص ۱۰۰۰/۱۰۰۱ ص ۱۰۰۲/۱۰۰۳ ص ۱۰۰۴/۱۰۰۵ ص ۱۰۰۶/۱۰۰۷ ص ۱۰۰۸/۱۰۰۹ ص ۱۰۱۰/۱۰۱۱ ص ۱۰۱۲/۱۰۱۳ ص ۱۰۱۴/۱۰۱۵ ص ۱۰۱۶/۱۰۱۷ ص ۱۰۱۸/۱۰۱۹ ص ۱۰۲۰/۱۰۲۱ ص ۱۰۲۲/۱۰۲۳ ص ۱۰۲۴/۱۰۲۵ ص ۱۰۲۶/۱۰۲۷ ص ۱۰۲۸/۱۰۲۹ ص ۱۰۳۰/۱۰۳۱ ص ۱۰۳۲/۱۰۳۳ ص ۱۰۳۴/۱۰۳۵ ص ۱۰۳۶/۱۰۳۷ ص ۱۰۳۸/۱۰۳۹ ص ۱۰۴۰/۱۰۴۱ ص ۱۰۴۲/۱۰۴۳ ص ۱۰۴۴/۱۰۴۵ ص ۱۰۴۶/۱۰۴۷ ص ۱۰۴۸/۱۰۴۹ ص ۱۰۵۰/۱۰۵۱ ص ۱۰۵۲/۱۰۵۳ ص ۱۰۵۴/۱۰۵۵ ص ۱۰۵۶/۱۰۵۷ ص ۱۰۵۸/۱۰۵۹ ص ۱۰۶۰/۱۰۶۱ ص ۱۰۶۲/۱۰۶۳ ص ۱۰۶۴/۱۰۶۵ ص ۱۰۶۶/۱۰۶۷ ص ۱۰۶۸/۱۰۶۹ ص ۱۰۷۰/۱۰۷۱ ص ۱۰۷۲/۱۰۷۳ ص ۱۰۷۴/۱۰۷۵ ص ۱۰۷۶/۱۰۷۷ ص ۱۰۷۸/۱۰۷۹ ص ۱۰۸۰/۱۰۸۱ ص ۱۰۸۲/۱۰۸۳ ص ۱۰۸۴/۱۰۸۵ ص ۱۰۸۶/۱۰۸۷ ص ۱۰۸۸/۱۰۸۹ ص ۱۰۹۰/۱۰۹۱ ص ۱۰۹۲/۱۰۹۳ ص ۱۰۹۴/۱۰۹۵ ص ۱۰۹۶/۱۰۹۷ ص ۱۰۹۸/۱۰۹۹ ص ۱۱۰۰/۱۱۰۱ ص ۱۱۰۲/۱۱۰۳ ص ۱۱۰۴/۱۱۰۵ ص ۱۱۰۶/۱۱۰۷ ص ۱۱۰۸/۱۱۰۹ ص ۱۱۱۰/۱۱۱۱ ص ۱۱۱۲/۱۱۱۳ ص ۱۱۱۴/۱۱۱۵ ص ۱۱۱۶/۱۱۱۷ ص ۱۱۱۸/۱۱۱۹ ص ۱۱۲۰/۱۱۲۱ ص ۱۱۲۲/۱۱۲۳ ص ۱۱۲۴/۱۱۲۵ ص ۱۱۲۶/۱۱۲۷ ص ۱۱۲۸/۱۱۲۹ ص ۱۱۳۰/۱۱۳۱ ص ۱۱۳۲/۱۱۳۳ ص ۱۱۳۴/۱۱۳۵ ص ۱۱۳۶/۱۱۳۷ ص ۱۱۳۸/۱۱۳۹ ص ۱۱۴۰/۱۱۴۱ ص ۱۱۴۲/۱۱۴۳ ص ۱۱۴۴/۱۱۴۵ ص ۱۱۴۶/۱۱۴۷ ص ۱۱۴۸/۱۱۴۹ ص ۱۱۵۰/۱۱۵۱ ص ۱۱۵۲/۱۱۵۳ ص ۱۱۵۴/۱۱۵۵ ص ۱۱۵۶/۱۱۵۷ ص ۱۱۵۸/۱۱۵۹ ص ۱۱۶۰/۱۱۶۱ ص ۱۱۶۲/۱۱۶۳ ص ۱۱۶۴/۱۱۶۵ ص ۱۱۶۶/۱۱۶۷ ص ۱۱۶۸/۱۱۶۹ ص ۱۱۷۰/۱۱۷۱ ص ۱۱۷۲/۱۱۷۳ ص ۱۱۷۴/۱۱۷۵ ص ۱۱۷۶/۱۱۷۷ ص ۱۱۷۸/۱۱۷۹ ص ۱۱۸۰/۱۱۸۱ ص ۱۱۸۲/۱۱۸۳ ص ۱۱۸۴/۱۱۸۵ ص ۱۱۸۶/۱۱۸۷ ص ۱۱۸۸/۱۱۸۹ ص ۱۱۹۰/۱۱۹۱ ص ۱۱۹۲/۱۱۹۳ ص ۱۱۹۴/۱۱۹۵ ص ۱۱۹۶/۱۱۹۷ ص ۱۱۹۸/۱۱۹۹ ص ۱۲۰۰/۱۲۰۱ ص ۱۲۰۲/۱۲۰۳ ص ۱۲۰۴/۱۲۰۵ ص ۱۲۰۶/۱۲۰۷ ص ۱۲۰۸/۱۲۰۹ ص ۱۲۱۰/۱۲۱۱ ص ۱۲۱۲/۱۲۱۳ ص ۱۲۱۴/۱۲۱۵ ص ۱۲۱۶/۱۲۱۷ ص ۱۲۱۸/۱۲۱۹ ص ۱۲۲۰/۱۲۲۱ ص ۱۲۲۲/۱۲۲۳ ص ۱۲۲۴/۱۲۲۵ ص ۱۲۲۶/۱۲۲۷ ص ۱۲۲۸/۱۲۲۹ ص ۱۲۳۰/۱۲۳۱ ص ۱۲۳۲/۱۲۳۳ ص ۱۲۳۴/۱۲۳۵ ص ۱۲۳۶/۱۲۳۷ ص ۱۲۳۸/۱۲۳۹ ص ۱۲۴۰/۱۲۴۱ ص ۱۲۴۲/۱۲۴۳ ص ۱۲۴۴/۱۲۴۵ ص ۱۲۴۶/۱۲۴۷ ص ۱۲۴۸/۱۲۴۹ ص ۱۲۵۰/۱۲۵۱ ص ۱۲۵۲/۱۲۵۳ ص ۱۲۵۴/۱۲۵۵ ص ۱۲۵۶/۱۲۵۷ ص ۱۲۵۸/۱۲۵۹ ص ۱۲۶۰/۱۲۶۱ ص ۱۲۶۲/۱۲۶۳ ص ۱۲۶۴/۱۲۶۵ ص ۱۲۶۶/۱۲۶۷ ص ۱۲۶۸/۱۲۶۹ ص ۱۲۷۰/۱۲۷۱ ص ۱۲۷۲/۱۲۷۳ ص ۱۲۷۴/۱۲۷۵ ص ۱۲۷۶/۱۲۷۷ ص ۱۲۷۸/۱۲۷۹ ص ۱۲۸۰/۱۲۸۱ ص ۱۲۸۲/۱۲۸۳ ص ۱۲۸۴/۱۲۸۵ ص ۱۲۸۶/۱۲۸۷ ص ۱۲۸۸/۱۲۸۹ ص ۱۲۹۰/۱۲۹۱ ص ۱۲۹۲/۱۲۹۳ ص ۱۲۹۴/۱۲۹۵ ص ۱۲۹۶/۱۲۹۷ ص ۱۲۹۸/۱۲۹۹ ص ۱۳۰۰/۱۳۰۱ ص ۱۳۰۲/۱۳۰۳ ص ۱۳۰۴/۱۳۰۵ ص ۱۳۰۶/۱۳۰۷ ص ۱۳۰۸/۱۳۰۹ ص ۱۳۱۰/۱۳۱۱ ص ۱۳۱۲/۱۳۱۳ ص ۱۳۱۴/۱۳۱۵ ص ۱۳۱۶/۱۳۱۷ ص ۱۳۱۸/۱۳۱۹ ص ۱۳۲۰/۱۳۲۱ ص ۱۳۲۲/۱۳۲۳ ص ۱۳۲۴/۱۳۲۵ ص ۱۳۲۶/۱۳۲۷ ص ۱۳۲۸/۱۳۲۹ ص ۱۳۳۰/۱۳۳۱ ص ۱۳۳۲/۱۳۳۳ ص ۱۳۳۴/۱۳۳۵ ص ۱۳۳۶/۱۳۳۷ ص ۱۳۳۸/۱۳۳۹ ص ۱۳۴۰/۱۳۴۱ ص ۱۳۴۲/۱۳۴۳ ص ۱۳۴۴/۱۳۴۵ ص ۱۳۴۶/۱۳۴۷ ص ۱۳۴۸/۱۳۴۹ ص ۱۳۵۰/۱۳۵۱ ص ۱۳۵۲/۱۳۵۳ ص ۱۳۵۴/۱۳۵۵ ص ۱۳۵۶/۱۳۵۷ ص ۱۳۵۸/۱۳۵۹ ص ۱۳۶۰/۱۳۶۱ ص ۱۳۶۲/۱۳۶۳ ص ۱۳۶۴/۱۳۶۵ ص ۱۳۶۶/۱۳۶۷ ص ۱۳۶۸/۱۳۶۹ ص ۱۳۷۰/۱۳۷۱ ص ۱۳۷۲/۱۳۷۳ ص ۱۳۷۴/۱۳۷۵ ص ۱۳۷۶/۱۳۷۷ ص ۱۳۷۸/۱۳۷۹ ص ۱۳۸۰/۱۳۸۱ ص ۱۳۸۲/۱۳۸۳ ص ۱۳۸۴/۱۳۸۵ ص ۱۳۸۶/۱۳۸۷ ص ۱۳۸۸/۱۳۸۹ ص ۱۳۹۰/۱۳۹۱ ص ۱۳۹۲/۱۳۹۳ ص ۱۳۹۴/۱۳۹۵ ص ۱۳۹۶/۱۳۹۷ ص ۱۳۹۸/۱۳۹۹ ص ۱۴۰۰/۱۴۰۱ ص ۱۴۰۲/۱۴۰۳ ص ۱۴۰۴/۱۴۰۵ ص ۱۴۰۶/۱۴۰۷ ص ۱۴۰۸/۱۴۰۹ ص ۱۴۱۰/۱۴۱۱ ص ۱۴۱۲/۱۴۱۳ ص ۱۴۱۴/۱۴۱۵ ص ۱۴۱۶/۱۴۱۷ ص ۱۴۱۸/۱۴۱۹ ص ۱۴۲۰/۱۴۲۱ ص ۱۴۲۲/۱۴۲۳ ص ۱۴۲۴/۱۴۲۵ ص ۱۴۲۶/۱۴۲۷ ص ۱۴۲۸/۱۴۲۹ ص ۱۴۳۰/۱۴۳۱ ص ۱۴۳۲/۱۴۳۳ ص ۱۴۳۴/۱۴۳۵ ص ۱۴۳۶/۱۴۳۷ ص ۱۴۳۸/۱۴۳۹ ص ۱۴۴۰/۱۴۴۱ ص ۱۴۴۲/۱۴۴۳ ص ۱۴۴۴/۱۴۴۵ ص ۱۴۴۶/۱۴۴۷ ص ۱۴۴۸/۱۴۴۹ ص ۱۴۵۰/۱۴۵۱ ص ۱۴۵۲/۱۴۵۳ ص ۱۴۵۴/۱۴۵۵ ص ۱۴۵۶/۱۴۵۷ ص ۱۴۵۸/۱۴۵۹ ص ۱۴۶۰/۱۴۶۱ ص ۱۴۶۲/۱۴۶۳ ص ۱۴۶۴/۱۴۶۵ ص ۱۴۶۶/۱۴۶۷ ص ۱۴۶۸/۱۴۶۹ ص ۱۴۷۰/۱۴۷۱ ص ۱۴۷۲/۱۴۷۳ ص ۱۴۷۴/۱۴۷۵ ص ۱۴۷۶/۱۴۷۷ ص ۱۴۷۸/۱۴۷۹ ص ۱۴۸۰/۱۴۸۱ ص ۱۴۸۲/۱۴۸۳ ص ۱۴۸۴/۱۴۸۵ ص ۱۴۸۶/۱۴۸۷ ص ۱۴۸۸/۱۴۸۹ ص ۱۴۹۰/۱۴۹۱ ص ۱۴۹۲/۱۴۹۳ ص ۱۴۹۴/۱۴۹۵ ص ۱۴۹۶/۱۴۹۷ ص ۱۴۹۸/۱۴۹۹ ص ۱۵۰۰/۱۵۰۱ ص ۱۵۰۲/۱۵۰۳ ص ۱۵۰۴/۱۵۰۵ ص ۱۵۰۶/۱۵۰۷ ص ۱۵۰۸/۱۵۰۹ ص ۱۵۱۰/۱۵۱۱ ص ۱۵۱۲/۱۵۱۳ ص ۱۵۱۴/۱۵۱۵ ص ۱۵۱۶/۱۵۱۷ ص ۱۵۱۸/۱۵۱۹ ص ۱۵۲۰/۱۵۲۱ ص ۱۵۲

خاص خاص حصے کہیں کہیں نقل کیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ارشاد (۱) میں امام حسینؑ کا خواب عقبہؓ ہی کی زبانی نقل فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں طبری اور شیخ مفید نے عقبہ کا جو بیان نقل کیا ہے اگرچہ اس میں کہیں کہیں اختلاف بھی ہے۔ مثلاً بعض جملے طبری کے یہاں نہیں مگر شیخ کے یہاں موجود ہیں اور بعض شیخ مفید کے یہاں موجود نہیں ہیں لیکن طبری کے یہاں ہیں۔ تاہم اختلافات کی وجہ یہ کئی معمولی طریقوں پر کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں نے عقبہ کے مقتل کو جن نسخوں سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ سند جدا جدا ہوگا۔

ایک بے بنیاد افسانہ کی تاریخی تنقید

تاریخ طبری میں ایک واقعہ یہ درج ہے کہ امامؑ جب تنعیم پر پہنچے تو انہیں ایک قافلہ ملا جو یمن کے گورنر ریمان کی طرف سے یزید کے پاس درس (ایک جڑی بوٹی) اور کپڑے لئے جا رہا تھا جس کو امام حسینؑ نے روک لیا۔ پھر ساربانوں سے کہا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ ہمارے ساتھ عراق چلے تو ہم اس کو کرایہ دیں گے اور اچھا برتاؤ کریں گے لیکن مجبوری کوئی نہیں، اور جو یہیں سے جدا ہونا چاہے اس کو ہم راستے کے مطابق کرایہ دیں گے۔

ظاہر ہے کہ سارا واقعہ نہایت غیر معقول ہے اور معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں۔ (۱) یا تو اسلام کے کسی دشمن نے خود طبری کی کتاب میں تحریف کی اور عبارت بڑھادی۔

(۲) عقبہ بن سماعن کی کتاب میں تحریف کی اور یہ مضمون بڑھا دیا۔ اور اتفاق سے وہی کتاب طبری کو مل گئی جس نے من و عن نقل کر دی۔

اس بے بنیاد روایت سے بدخواہ کا مطلب یہ ہے کہ امام حسینؑ نے وہ اونٹ لے کر یزید پر زیادتی کی جس کے سبب سے یزید نے امام حسینؑ پر چڑھائی کر دی اور انہیں قتل کر دیا اور یزید کو ایسا کرنے کا حق عقلاً حاصل ہو گیا تھا لیکن اس بہتان کے اضافہ و الحاق کرنے والے کی کوشش یونہی اکارت گئی اور معاملہ ”مدعی

(۱) ص ۲۳ مطبوعہ ایران ۱۳۰۸ھ

سست گواہ چُست“ کا مصداق ہو کر ناکام رہ گیا۔ اس بہتان میں اگر کچھ بھی حقیقت ہوتی تو امامؑ کے دشمن آپ کے قتل کو جائز ثابت کرنے کے لئے ضرور اس کی آڑ لیتے۔ لیکن امامؑ کے قاتل شمر نے کبھی بھی یہ وجہ بیان نہیں کی اور نہ جنگ کے سپہ سالار عمر سعد نے، اور نہ کوفہ کے گورنر ابن زیاد نے اور نہ خود یزید نے۔ بلکہ اس کے برخلاف یزید نے حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈالنا شروع کر دی تھی اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ان سب لوگوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو بھی ۱۳۰۰ تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی ایک دشمن نے اس واقعہ پر اصرار نہیں کیا۔ اور نہ یہ حوصلہ ہو سکا کہ اس واقعہ سے کوئی استدلال کر سکے۔

یہ امر نہایت وثوق کے ساتھ ثابت ہے کہ عاشور کے دن تمام یزیدی فوج کے سامنے امام حسینؑ نے نہایت وضاحت سے بیان کیا کہ تم (۱) مجھ سے کس بات کا بدلہ چاہتے ہو؟ آیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لے لیا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے اور تکلیف پہنچائی ہے؟ لیکن فوج میں سناٹا تھا۔ کسی شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور زیر بحث بہتان لگانے کا بھی حوصلہ نہیں کیا۔ اگر کوئی معاملہ ہوتا تو ہزاروں لاکھوں میں سے کیا کوئی ایک بھی نہ کہتا کہ آپ نے یزید کو نقصان پہنچایا اور جنگ کی ابتدا کی اور تمام ذمہ داری آپ پر ہے۔

لکھنے والے نے چند جعلی الفاظ تو ضرور لکھ دیئے لیکن اس کو یہ بھی تو بتانا چاہئے کہ حج سے ایک ماہ بعد کربلا کا واقعہ ہوا اور اس عرصہ میں زیر بحث واقعہ کی اطلاع یزید کے پاس کتنی دیر میں پہنچ سکتی تھی اور کب پہنچی اور یزید نے بدلہ لینے کی کب ٹھان لی اور کب احکام جاری کئے اور کب وہ احکام میں کوفہ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہ میں یہ تمام باتیں کسی طرح نہیں ہو سکتی تھیں کیوں کہ جب یزید کی فوج اہل حرم کو قید کر کے لے گئی تو اس کو دمشق جانے کے لئے ساڑھے چودہ میل کا سفر طے کرنا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ

(۱) ارشاد شیخ مفید ص ۲۴۸/ مولود ۳۳۶/ متوفی ۱۲۱۳ھ شیخ کے مفصل حالات دیکھیں تنقیح المقال ج ۳ ص ۱۸۰/ طبری ۶/۲۴۳ مطبوعہ مصر

تاریخ کے اس مسلمہ اور متفقہ واقعہ کو کس طرح مٹا دیا جائے گا کہ یزید نے خلافت کا تخت سنبھالتے ہی مدینہ کے گورنر ولید کو یہ لکھا کہ حسینؑ سے بیعت لی جائے یا قتل کیا جائے جس سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ اور کوئی دوسرا واقعہ قتل کا سبب نہیں ہے، اور جو نیا واقعہ بنایا جا رہا ہے وہ جھوٹ ہے۔

اس واقعہ میں جو بہتانِ عظیم تراشا گیا ہے اس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے پہلوؤں پر بھی اگر غور کیا جائے تو تمام اصلیت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ کامل یقین ہو جاتا ہے کہ ایک معدوم شے کو موجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً غور فرمائیے کہ امام حسینؑ کو اونٹوں کی کیا ضرورت تھی اور اگر ضرورت تھی تو کتنے اونٹوں کی چنانچہ یہ امر بالکل صاف ہے کہ امام حسینؑ کو اونٹوں کی کوئی بھی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ آپ مکہ سے اپنا سفر شروع نہیں کر رہے تھے بلکہ آپ تو مدینہ سے مکہ میں آئے تھے۔ اور ہر قسم کا پورا سامان سفر آپ کے ساتھ موجود تھا یعنی آپ کو مطلق کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

اس حکایت میں یہ عجیب مہمل بات ہے کہ کچھ اونٹ والے عراق جانے کو تیار ہو گئے اور بعض نے انکار کر دیا۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ کتنے اونٹ والے کرائے پر چلنے کو تیار ہوئے اور کتنوں نے انکار کر دیا۔ آخر کسی محدود تعداد کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ کہ بے حدود بے شمار اگر اونٹ والے فی الواقع آزاد تھے اور انہیں کوئی بھی مجبوری نہیں تھی تو یہ واقعہ محض غلط ہے کہ انہیں روکا گیا تھا اور اگر انہیں روکا گیا تھا تو پھر یہ ناقابلِ تسلیم ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مالک و مختار تھے۔

مان لیجئے کہ بار برداری وغیرہ کے لئے کچھ اونٹوں کی ضرورت ہی تھی تو اس کا انتظام مکہ سے چلنے سے پہلے ہونا چاہئے تھا نہ کہ راستے میں کرنا چاہئے تھا۔ کون شخص یہ قیاس کر سکتا ہے کہ مکہ سے ضروری سامان اونٹوں کے بغیر خود بخود چل رہا تھا لیکن راستے میں اس کے لئے اونٹ لئے گئے۔ یعنی ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

یہ بھی ایک اچنبھا ہے کہ حج کا موقع ہے اور چاروں طرف سے سواریاں آرہی ہیں اور بکثرت مل سکتی ہیں لیکن پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اونٹ بیجا طور پر لے لئے گئے جو کاروباری نظر سے قطعی طور پر ناقابلِ یقین ہے کیوں کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اور کرائے کے اونٹ بکثرت موجود تھے۔ پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ بادشاہ کے لئے سامان جا رہا ہے لیکن کوئی محافظ ساتھ موجود نہیں۔ کیا یہ یقین کے لائق ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں لیکن پھر اس کے محافظ کہاں گئے اور انہوں نے حفاظت کیوں نہ کی؟ اور سامان جس قدر زیادہ تسلیم کیا جائے اتنے ہی محافظ بھی زیادہ تسلیم کرنا پڑیں گے۔

یہ واقعہ بھی یاد دلانے کے لائق ہے کہ راستے میں یزید کی فوج میں سے حرکا رسالہ ناگہاں ایک دن امامؑ سے آملا اور پھر متواتر ساتھ رہا، یہاں تک کہ سب کر بلا میں پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ راستے میں ہر چیز ان لوگوں کی نظر میں تھی لیکن پھر بھی ان ایک ہزار آدمیوں میں سے کسی نے اونٹوں یا ان کے سامان کی نسبت کچھ بیان نہیں کیا۔ اگر کوئی چیز ہوتی تو یہ ضرور دیکھتے اور اس کی نسبت کچھ بیان کرتے اور یزید کی فوج کے سپہ سالار کو لازمی طور پر اطلاع دیتے لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ اور کیسے ہوتی جب کہ کوئی بات تھی ہی نہیں۔

یہ واقعہ تنعیم کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے اس لئے یہ بیان کرنا لازمی ہے کہ تنعیم کہاں ہے اور کیا چیز ہے؟ چنانچہ نودی نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ معظمہ سے صرف تین چار میل (۱) پر ایک مقام ہے۔ اور یہ تو بہت سی کتابوں میں لکھا ہے اور لاکھوں حج کرنے والے جانتے ہیں کہ مکہ والوں کے لئے (خواہ ان کا قیام وہاں عارضی ہو یا مستقل) تنعیم میقات کے طور پر مقرر ہے۔ جو شخص بھی مکہ میں داخل ہوتا ہے وہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتا ہے۔ اور وہ شخص خواہ کئی مرتبہ اپنی طرف سے یا دوسروں کی طرف سے عمرہ بجالائے لیکن اس کو ہر مرتبہ تنعیم پر جا کر احرام

(۱) تہذیب الاسرار واللغات ج ۱/ ۴۳ نودی متوفی ۱۷۷۶ھ مطبوعہ مصر

کو اونٹوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے کہ اگر ضرورت ہوتی تو اونٹ والوں سے یہ کس طرح فرما سکتے تھے کہ جس کی مرضی ہو چلے اور جو نہ چاہے نہ چلے۔ بلکہ اپنی ضرورت کے لئے ان کی مرضی کے خلاف ان کو ساتھ لینا چاہئے تھا یا ان کو رضامند کرنے کی ہی کچھ کوشش ثابت ہوتی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ جس کا یقینی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی واقعہ نہیں ہوا، نہ اونٹ روکے گئے نہ ان کی کوئی ضرورت تھی اور ان کے ساتھ لینے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی گئی۔

زیر بحث واقعہ کی نوعیت سے ناظرین حیران نہ ہوں کیوں کہ اسلام کے مخالفین ایسی ہی کارروائیاں کیا کرتے تھے یا خود مسلمان سہو و غفلت یا بے احتیاطی و کم نظری یا جماعتی عناد یا طمع یا خوف کی وجہ سے غلطیوں کا سبب ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ جنگ بدر کے سلسلہ میں خود رسول خدا کی نسبت بھی تصنیف کر دیا گیا تھا کہ آپ نے مشرکین قریش کے تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کو حملہ کی دعوت دے کر بدر کی لڑائی چھیڑی۔ خود اسی طبری (۱) میں جس میں امام حسینؑ کی طرف زیر بحث واقعہ منسوب ہے۔ رسول خدا کے متعلق یہ بے اصل و نازیبا عبارت درج ہے:

قالوا له اسمع رسول الله باني سفیان مقبلا من الشام، ندب المسلمین اليهم وقال هذه عير قریش فيها اموالهم، فاخرجوا اليها، لعل الله ينفلکموها
”لوگوں نے کہا ہے کہ جب رسول خدا نے سنا کہ ابو سفیان شام سے آ رہا ہے تو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے جس میں ان کا مال ہے۔ چلو شاید خدا تم کو اس میں سے مال غنیمت دلوائے“

عام ارباب سیر بلکہ محدثین بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے جس کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ میں اس کے تصور سے کانپ اٹھتا ہوں (۲) پس جب کہ حضرت رسالت مآبؐ ایسے واقعات کی زد میں لائے جاتے رہے تو امام حسینؑ کی نسبت ایسے واقعات کسی بھی حالت میں تعجب کا سبب نہیں ہو سکتے۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

باندھنا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی تنعیم ایک ایسا مقام ہے جس پر پورے سال بھر لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اور حج کے موسم میں آمد و رفت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے اور پھر ایسے مقام میں اور مکہ سے اس قدر قریب کسی کی طرف سے حج کے موسم میں کوئی زیادتی ہونا ہر گز اغلب نہیں اور اگر بالفرض ہو تو کسی طرح چھپ نہیں سکتی لیکن اس وقت وہاں کے حاضرین نے ایسا واقعہ قطعاً بیان نہیں کیا، اس کے علاوہ مکہ کی مقامی حکومت خود بھی امام حسینؑ کی مخالف تھی۔ ایک تو یزید کے حکم کے سبب سے اور دوسرے اس لئے بھی کہ جب امام حسینؑ نے حج کو چھوڑ کے مکہ سے چلا جانا چاہا تو کامل ابن (۱) اشیر کے مطابق اور خود طبری کے موافق حجاز کے گورنر کے آدمی معترض ہوئے جس پر طرفین کے آدمیوں میں کوڑے چلے لیکن امام حسینؑ روانہ ہو گئے۔ تو ان خاص حالات میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ امام حسینؑ کے آدمی وہ اونٹ پکڑ لیں جن پر یزید کا سامان جا رہا ہو۔ اور مقامی حکومت ہاتھ پہ ہاتھ دھرے چپ چاپ بیٹھی رہے۔ یا حکومت کو معلوم تک نہ ہو جس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے تنعیم پر کوئی بھی واقعہ نہیں (۲) ہوا۔

یہاں پر یہ بیان کر دینا بھی سخت لازمی ہے کہ امام حسینؑ مجبوری کے عالم میں حج کو چھوڑ کے جا رہے تھے ورنہ انہیں مکہ ہی میں قتل کر دیا جاتا تو اس حالت میں آیا امام حسینؑ کے لئے یہ ضروری تھا کہ حرم کی حرمت اور عزت کی حفاظت کی غرض سے مکہ کے حدود سے جلد باہر نکل جائیں۔ یا حضرت راستے میں اونٹوں کے روکنے وغیرہ میں اپنا وقت بے کار ضائع فرما سکتے تھے۔ دروغ گور حافظہ نباشد کی صحت میں کون کلام کر سکتا ہے۔ اونٹوں کے روکنے کا جب جھوٹا واقعہ بنایا گیا تو یہ بھی کہہ دیا کہ اونٹ والوں کو امامؑ نے آزادی دے دی کہ جس کی مرضی ہو ہمارے ساتھ چلے اور جو چاہے نہ چلے یعنی یہ خود تسلیم کر لیا کہ امام

(۱) جلد چہارم مطبوعہ مصر ۲۰، (۲) مقتل ابو مخنف مطبوعہ بیروت ۱۳۱۱ھ میں اس جھوٹے پروپیگنڈے کا کسی صورت میں ذکر نہیں۔

ابن سعد کی طرف سے ابن زیاد کے نام گڑھ لیا گیا تاکہ مؤرخین غلطی میں مبتلا ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہاں تک ہوا کہ یہ خط بعض ایسی کتابوں میں بھی درج ہو گیا جن سے اس کے متعلق غفلت کی امید نہ تھی کیوں کہ یہ تصور کیا گیا کہ یہ خط و کتابت عمر سعد اور ابن زیاد کے مابین ہے۔ اور امام حسینؑ اس کے کوئی فریق نہیں ہیں۔

جس نے کچھ بھی تامل سے امام حسینؑ کے نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ کسی بحث اور ثبوت کے بغیر اس بے اصل اتہام کے تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔ اور تاریخ تو قدم قدم پر اس کی رد کے لئے دلیلیں فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ امامؑ کی شہادت کے بعد جب یزید عوام و خواص کی نظر میں ذلیل ہو گیا اور اسے حکومت کے زوال کا اندیشہ ہوا تو وہ ابن زیاد کو مجرم قرار دینے لگا اور اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنے لگا اور اس نے یہاں تک کہا کہ ”اللہ ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے جس نے امام حسینؑ کو قتل ہو جانے پر مجبور کیا، حسینؑ نے چاہا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں یا سرحدی مقامات پر چلے جائیں لیکن ابن زیاد راضی (۱) نہ ہوا“

اس بیان میں یزید نے یہ نہیں کہا کہ امام حسینؑ میری بیعت کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔

طبری نے زیر بحث واقعہ کے متعلق متعدد اسناد سے کئی بیان نقل کئے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے (۲):

(۱) ابو مخنف (۳) نے مجالد (۴) بن سعید اور صفعب (۵) بن زبیر ازدی کے حوالہ سے بیان کیا کہ امام حسینؑ نے یزید کی فوج کے سامنے تین باتیں پیش فرمائیں:

۱۔ تذکرہ خواص الائمه ابن الجوزی ص ۱۴۸ / ۲ حدیث طبری ۶/۲۲۵ مصر
۲۔ لوط بن یحییٰ بن سعید ابن مخنف کنیت ابو مخنف تھی۔ مقتل الحسینؑ و کتاب المختار وغیرہ کے مصنف ہیں (۱۱) ان کے حالات ص ۲۶۱ فہرست شیخ طوسی وفیہ الايضاح علم الہدیٰ ابن محمد حسن میں دیکھئے۔ (۴) مجالد بن سعید بن عمیر بن اساطم بن ذی مران بن شریل بن ابی ریحہ بن مرشد بن چشم ہمدانی (ابو عمرہ) کوئی متوفی ۱۳۱ھ ضعیف الحدیث ہے (۱۰/۴۱) تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ (۵) صفعب بن زبیر بن عبد اللہ بن بن زبیر بن مسلم ازدی کوئی (۴/۴۳۲) تہذیب ابن حجر مطبوعہ حیدرآباد ۲۵۳۲ھ

تحریف و تصحیف کے اس سانحہ سے کسی شخص کو حیرت میں نہیں آنا چاہئے۔ یہ کارروائی ہمارے سامنے اس قدر کثرت سے موجود ہے کہ اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تالیف ہو سکتی ہے۔ لیکن نمونہ کے لئے یہ عجائب و غرائب کافی ہیں کہ غزوہ تبوک جو حجۃ الوداع سے پہلے واقع ہوا اس کی نسبت بخاری کے نسخ نے یہ لکھ دیا کہ حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا اور اسی طرح رسول اللہ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جو ہزاروں آدمیوں کے سامنے پڑھا گیا تھا حیرت انگیز ابہام و تحریف سے کام لیا گیا۔ اس امر سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ زیر بحث عبارت عقبہ کے مقتل میں بڑھائی گئی تھی یا طبری کی تاریخ میں لیکن چونکہ اس عبارت کا الحاق و اضافہ یقین کی حد تک ثابت ہو چکا۔ اس لئے ہم نے مقتل کے متن سے یہ عبارت حذف کر دی ہے تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ عقبہ جیسے بصیرت شخص نے ایسی بے بنیاد بات بیان کی ہے۔

مقتل عقبہ کا ایک خاص امتیاز

اس مقتل کے متعلق جو آخری بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ اس کے ایک خاص امتیاز کو ظاہر کرتی ہے کہ عقبہ بن سمران نے بنی امیہ کے ایک نہایت کثیف پروپگنڈے کو بے نقاب کیا۔ امام حسینؑ اور ابن سعد سے تنہائی میں جو گفتگو عاشور کی رات کو ہوئی تھی چونکہ عوام کو اس کے سننے کا موقع نہیں ملا اس لئے جس طرح سے ایسے اوقات میں خیال آرائیاں ہوا کرتی ہیں اس گفتگو کے متعلق بھی ایسی ہی افواہ اڑی کہ جس کا حقیقت سے کوئی بھی رشتہ نہیں تھا۔ افواہ یہ تھی کہ امام حسینؑ نے عمر سعد سے فرمایا کہ میں یزید کے پاس چلنے کو تیار ہوں اور اسی مضمون کا ایک خط بھی

۱۔ طبری مطبوعہ یورپ ج ۳ / ۱۲۹۲ ۲۔ سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۲۱ مولانا شبلی متوفی ۱۳۳۲ھ مطبوعہ ۱۳۳۶ھ۔ عہد جدید کے مسلمان مورخ بھی اس وہم کا شکار ہیں کتاب ”حیات محمد“ ڈاکٹر محمد حسین، سکیل مطبوعہ مصر ص ۲۵۱ / ۱۳۵۴ھ میں ایسی عبارت لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) غزوہ بدر کا مقصد کاروان تجارت کو لوٹنا تھا۔ قریش کے حملہ کا دفاع نہ تھا۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی میں عام مؤرخین و ارباب سیرت و محدثین کی غفلت کے پردہ کو چاک کیا دیکھئے سیرۃ النبی غزوہ بدر پر دوبارہ نظر جلد ۱ ص ۳۱۷

ابوحنفہ نے مجاہد بن سعید اور صفعب بن زبیر ازدی کے حوالے سے بیان کیا کہ امام حسینؑ نے یزید کی فوج کے سامنے تین باتیں پیش فرمائیں۔

(۱) میں مدینہ واپس جاؤں۔ (۲) یا اپنا معاملہ یزید کے سپرد کر دوں۔ (۳) یا مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دیا جاؤں۔

(۲) دوسرا حوالہ ابو جندب اور ہانی بن ثبیثؓ حضری کا ہے۔ ابوحنفہ نے کہا کہ مجھ سے ابو جندب نے بیان کیا اور ان کو یہ خبر ہانی بن ثبیثؓ سے پہنچی کہ امامؑ اور ابن سعد سے رات کو تنہائی میں جو باتیں ہوئیں ان کا کسی کو علم نہیں ہوا لیکن بغیر سنے ہوئے لوگوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت نے فرمایا ہم تم فوج کو اسی جگہ چھوڑ دیں اور یزید کے پاس چلیں لیکن ابن سعد نے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ظاہر کیا اور یہ تجویز منظور نہیں کی (طبری ۲۲۵ جلد ۶/۱)

(۳) تیسرا بیان ابوحنفہ نے نقاد حق پسند مورخ عقبہ بن سمعانؒ کا نقل کیا ہے جس میں عقبہؒ نے بڑے زور اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس افواہ کی رد کی اور کہا کہ میں امامؑ کے ساتھ رہا مدینہ سے مکہ گیا اور مکہ سے عراق گیا اور حضرت سے کبھی جدا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت کی شہادت میرے سامنے واقعہ ہوئی۔ شہادت کے دن تک لوگوں سے حضرت کی کسی گفتگو کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے۔ نہ مدینہ میں، نہ مکہ میں، نہ راستے میں، نہ عراق میں اور نہ فوج کے سامنے، جسے میں نے نہ سنا ہو۔ خدا کی قسم جس کا یہ لوگ چرچا کر رہے ہیں حضرت نے کبھی نہیں فرمایا کہ حضرت یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے اور نہ حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھے اسلامی سرحد پر بھیج دو۔ بلکہ حضرت نے فرمایا مجھے جانے دو، میں اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ لوگوں کا کیا انجام ہوتا (۱) ہے۔ ابن اثیر (۲) نے بھی عوام کی افواہ نقل کر کے عقبہ کا بیان اس کی رد میں درج کیا ہے۔

علامہ سبط ابن الجوزی (۳) نے لکھا ہے:

طبری ج ۶/۲۲۵، ابن اثیر ج ۲/۲۸ مطبوعہ مصر، ۳ (م ۱۵۳ھ) تذکرۃ خواص الائمة ص ۱۴۱ مطبوعہ ایران ص ۱۲۸۵

”قلت وقد وقع في بعض النسخ ان الحسين قال لعمر بن سعد دعوني امضي الى المدينة او الى يزيد فادع يدي في يده ولا يصح ذلك عنه فان عقبه بن سمعان قال صحبت الحسين من المدينة الى العراق لم ازل معه الى ان قتل - والله ما سمعته - قال - ذالك“

”میں کہتا ہوں بعض نسخوں میں ہے کہ امام حسینؑ نے عمر بن سعد سے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ میں مدینہ چلا جاؤں، یا یزید کے پاس جا کر اس کی بیعت کر لوں، لیکن حضرت کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ عقبہ بن سمعان نے کہا ہے کہ میں حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق تک رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک برابر ساتھ رہا، میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا“

اس عبارت میں سبط ابن جوزی جو مسلمانوں میں بڑے مرتبہ کے عالم ہیں اور تفسیر و تاریخ کے بڑے پائے کے مصنف ہیں بنی امیہ کے پروپیگنڈے کی نفی کرتے ہیں اور عقبہ بن سمعانؒ کو سند میں پیش کرتے ہیں اور ان کے بیان کو کامل حجت سمجھتے ہیں۔

اگر تاریخ کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ عقبہ کے اعلان حق نے تاریخ کے عالموں کو کس قدر متاثر کیا تو بڑی تعداد ان کے زیر اثر ملے گی۔ بنی امیہ کی حکومت کے شباب میں جب کہ پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ پورے طور پر لٹ چکے تھے صدق اور حق کے سلسلہ میں تحسین و آفرین اور انعام و اکرام کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی بلکہ مال، جان اور آبرو کا خطرہ تھا۔

نڈرا اور سرفروش عقبہؒ نے صرف یہی نہیں کہ مختلف مواقع پر واقعات کو بلا کو نشر کیا بلکہ اس کے خلاف جو سازشیں کی گئیں اور واقعات کے مسخ کرنے اور صورت بدلنے کی جو تدبیریں ہوئیں ان پر خاص توجہ رکھی اور ان کی رد کرتے رہے اور اصل حقیقت کو پیش کرتے رہے۔

عقبہؒ کے بیان سے تاریخ کو صحیح روشنی ملی۔ ورنہ دشمن نے اس شہد و مد سے پروپیگنڈا شروع کیا تھا کہ غیہ تو غیر خود اپنے بھی اس

کے دام میں آسکتے تھے۔ ظلم و جور کے اس زمانہ میں شاعر امام کا مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے جیسا کہ ابو الفرج اصفہانی نے مقابل الطالبین میں لکھا ہے کہ بنی امیہ کے ڈر اور خوف سے شاعر امام کا مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور جب یہ حالت تھی تو کسی امر کی رد کا حوصلہ کہاں ہو سکتا تھا سوا اس کے کہ عقبہ بن سمعان کی ایمانی قوت نے ان کی مدد کی۔

واقعہ کربلا کے ابتدائی حالات کے ایک قدیم ترین ماخذ

مقتل عقبہ بن سمعان کا ترجمہ

مترجم: علامہ سید محمد مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کامونپوری

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے اور ہشام نے ابو مخنف سے اور ابو مخنف نے عبد الرحمن بن جندب سے اور عبد الرحمن نے عقبہ بن سمعان سے سنا (عقبہ بن سمعان جناب رباب کلبیہ دختر امرا القیس زوجہ امام حسینؑ کے غلام ہیں۔ جناب رباب امام حسینؑ کی صغیر سن دختر جناب سکینہؑ کی والدہ ہیں)

عقبہؑ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور عام شاہراہ کو اختیار کیا۔ لیکن اہل بیتؑ نے امامؑ سے کہا کہ اگر عام شاہراہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں (جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے) تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ قضائے الہی جو بہتر سمجھے وہ کرے۔

(۲) عقبہؑ نے یہ بھی کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن مطیع ملے۔ چنانچہ عبد اللہ نے امامؑ سے عرض کیا (میں آپ پر نثار) کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا اس وقت تو میں جا رہا ہوں، آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا۔ عبد اللہ نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے اور ہمیں آپ پر قربان کرے۔ جب آپ مکہ پہنچیں تو کوفہ کے قریب ہرگز نہ جائیں۔ وہ بڑا ہی مخوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے باپ قتل ہوئے۔ بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور ان پر ایسا حملہ کیا گیا جو مہلک ہو سکتا تھا۔ آپ عرب کے سردار ہیں، حرم میں قیام کیجئے۔

اہل حجاز آپ کے ہوتے ہوئے کسی طرف رخ نہ کریں گے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ حرم کو نہ چھوڑیں (میرے ماموں اور چچا آپ پر نثار) خدا کی قسم اگر آپ ہلاک کر دیئے گئے تو آپ کے بعد ہم غلام بنائے جائیں گے۔

(۳) حضرت مکہ آئے۔ اہل مکہ آپ کے پاس آنے جانے لگے جن میں عمرہ بجالانے والے بھی شامل تھے اور ہر طرف کے لوگوں نے بھی آنا شروع کیا۔ ابن زبیر کعبہ میں دن بھر نماز اور طواف میں گزارتے تھے مگر امام حسینؑ کے پاس دو دن تک متواتر یا ایک دن ناناہ کر کے آتے تھے اور انہیں مشورہ دیتے تھے۔ حالانکہ امامؑ کی موجودگی ابن زبیر پر نہایت شاق تھی، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام مکہ میں ہیں میری بیعت کوئی نہیں کرے گا اور نہ کوئی شخص اطاعت کرے گا۔ اور سب کی نگاہ میں میری نسبت امامؑ کی عظمت زیادہ ہے اور لوگ میری نسبت امامؑ کی بیعت کے زیادہ خواہش مند ہیں۔

(۴) جب کوفہ میں (امیر) معاویہ کی وفات کی خبر آئی تو عراق والوں نے یزید کے متعلق چہ میگوئیاں شروع کیں اور کہنے لگے کہ حسینؑ ابن علیؑ اور ابن زبیرؑ نے بیعت نہیں کی بلکہ دونوں مکہ چلے گئے۔ اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں کوفیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھے۔

عقبہؑ نے بیان کیا کہ امامؑ نے جب کوفہ کی روانگی کا ارادہ کیا تو عبد اللہ ابن عباس حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ عام افواہ ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ فرمائیے آپ کا کیا قصد ہے۔ امامؑ نے فرمایا میں نے انشاء اللہ کل یا پرسوں کسی ایک دن جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ ابن عباس نے کہا میں آپ کو اس ارادہ سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں مجھے یہ بتائیے کہ کیا آپ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جس نے اپنے حاکم کو قتل کر دیا ہے اپنے وطن پر قابو پا لیا ہے اور دشمن کو نکال دیا ہے۔ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو آپ شوق سے جائیے اور اگر ان کا حاکم ان پر مسلط ہے اور عمال ٹیکس وصول کر رہے ہیں اور اس حالت میں انہوں نے آپ

کو اپنے پاس بلایا ہے تو آپ کو جنگ کے لئے بلایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے اور آپ سے جنگ کریں گے۔ امامؑ نے فرمایا۔ ”میں خدا سے استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کیا ہوتا ہے۔“ اس کے بعد ابن عباس چلے گئے۔

(۶) ابن عباس کے بعد ابن زبیر حضرت کے پاس آئے کچھ دیر باتیں کیں اور کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے بنی امیہ سے کیوں چشم پوشی کر رکھی ہے حالانکہ ہم لوگ مہاجرین کی اولاد میں سے ہیں اور اسلام کے حاکم ہیں بنی امیہ کو حکومت کا حق کب ہے۔ فرمائیے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا بخدا میرا دل کوفہ جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں میں اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا۔ ابن زبیر نے کہا کہ اگر کوفہ میں میرے احباب ایسے ہوتے جیسے آپ کے ہیں تو میں اس سے منہ نہ موڑتا۔ پھر ابن زبیر کو اندیشہ ہوا کہ اس رائے میں امامؑ ان پر خود غرضی کا الزام لگائیں گے اس لئے فوراً ہی کہا کہ اگر آپ جاز میں رہنا چاہیں اور یہاں رہ کر حکومت کرنا چاہیں تو انشاء اللہ آپ کی مخالفت نہ ہوگی اس کے بعد ابن زبیر چلے گئے۔ اور امامؑ نے فرمایا کہ ابن زبیر کی دنیا میں سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں جاز سے عراق چلا جاؤں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ میری موجودگی میں ان کی کچھ نہ چلے گی۔ لوگ انہیں میرے برابر نہ سمجھیں گے۔ اس لئے ان کی خواہش یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور یہ مقام ان کے لئے خالی ہو جائے۔

(۷) عقبہؓ کہتے ہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو ابن عباس آئے اور کہا کہ میں صبر کی کوشش کرتا ہوں لیکن مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اس سفر میں مجھے آپ کی بلاکت اور تباہی کا خوف ہے۔ عراق والے غدار ہیں، ان کے پاس نہ جائیے، مکہ میں رہیں آپ سیدالجزا ہیں۔ اگر عراق والوں کو جیسا وہ ظاہر کرتے ہیں آپ کی خواہش ہے تو آپ انہیں لکھیں کہ وہ اپنے دشمن کو وہاں سے نکال دیں پھر اس کے بعد آپ ان کے پاس جائیں۔

(۸) اگر آپ یہاں سے ضرور ہی جانا چاہتے ہیں تو یمن جاییے، وہاں قلع اور گھاٹیاں اور بہت وسیع زمین ہے۔ وہاں آپ کے باپ کے ماننے والے بھی ہیں۔ آپ دشمن سے دور بھی رہیں گے۔ آپ وہاں سے لوگوں کو خط لکھیے، آدمی بھیجے، اپنے داعی پھیلا دیجئے میرا خیال ہے اس طرح بعافیت آپ مقصد حاصل کر لیں گے۔ امامؑ نے فرمایا بخدا میں جانتا ہوں آپ میرے مخلص اور شفیق ہیں لیکن میں نے کوفہ کا سفر طے کر لیا ہے۔ ابن عباس نے کہا اگر آپ جاتے ہی ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ قتل نہ کر دیئے جائیں جیسے عثمان قتل ہوئے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے قتل کا منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر ابن عباس نے کہا آپ جاز کو خالی کر کے ابن زبیر کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے (یعنی اپنے سفر سے انکو خوشی کا موقع دیں گے) آج انہیں کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ انکی طرف دیکھتا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں آپ کو بجز روکوں اور آپ رک جائیں گے تو میں یہ کر گزرتا۔ پھر ابن عباس حضرت کے پاس سے چلے گئے اور بن زبیر کی طرف سے گزرے اور عبد اللہ بن زبیر سے کہا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوںیں اور یہ کہہ کر اشعار پڑھے (۱) (جن کا ترجمہ یہ ہے)

”اے چنڈول کیا کہنا ترا، فضا تیرے لئے خالی ہے، شوق سے انڈے دے، بچے نکال اور انڈے دینے کی جگہ کو خوب نرم و درست کر لے“

ان اشعار کے بعد عبد اللہ بن عباس نے ابن زبیر سے کہا: ”حسینؑ عراق کو جا رہے ہیں، تم اب جاز میں قدم جماؤ۔“ (۹) جب امام حسینؑ مکہ سے نکلے تو مکہ کے گورنر عمر بن سعید کے آدمیوں نے جوتگی بن سعید کی سرکردگی میں تھے، حضرت کو روکا۔ ان لوگوں نے امامؑ سے کہا کہ واپس ہو جائیے آپ کدھر جا رہے ہیں۔ مگر حضرت نے واپسی سے انکار فرمایا اور سفر کو جاری رکھا۔ چنانچہ دونوں جماعتوں میں مقابلہ ہوا اور دونوں طرف سے

(۱) یہ مثل پہلے پہل طرفہ بن عبد نے کہی تھی

کوڑے استعمال ہوئے، لیکن امامؑ اور ان کے ساتھی اپنے مقصد کے مطابق سفر کو جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت گورنر کے آدمیوں نے پکار کر امامؑ سے کہا (معاذ اللہ) آپ خدا سے نہیں ڈرتے، جماعت سے نکلنے ہیں اور اس امت میں اختراق اور اختلاف ڈالتے ہیں“

اس پر امامؑ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

(ترجمہ): ”میں اپنے عمل کا ذمہ دار ہوں اور تم اپنے عمل کا ذمہ دار ہو۔ تم سے میرے عمل کی باز پرس نہ ہوگی اور میں تمہارے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں۔“ (۱۱/۴۱ یونس)

(۱۰) پھر حضرت تنحیم پنچے (یہاں پر وہ عبارت حذف کر دی گئی جس میں تحریف ہوئی ہے اور جس پر مناسب جگہ پر کافی بحث ہو چکی اور تمام قرآن کی زبردست شہادت سے ثابت ہو چکا کہ تنحیم پر ہرگز کوئی واقعہ نہیں ہوا)

(۱۱) امامؑ نے رات کے آخری حصہ میں پانی بھرنے اور پھر کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی جب ہم قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر چلے تو امامؑ کی آنکھ لگ گئی۔ پھر اَنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے اور دو یا تین بار انہیں کلمات کو دہرایا۔ جناب علی بن الحسین (علی اکبرؑ) گھوڑے پر حضرت کی طرف آئے اور اَنَّا لِلّٰہِ کہہ کر عرض کیا۔ آپ پر فدا ہوں۔ اس وقت یہ کلمات کیوں ارشاد فرمائے۔ امامؑ نے فرمایا۔ بیٹے میری آنکھ لگ گئی۔ ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا ہے۔ ”یہ لوگ سفر میں مشغول ہیں اور موت ان کے ساتھ جارہی ہے۔“ میں نے سمجھا کہ ہمیں موت کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت علی اکبرؑ نے کہا۔ خدا آپ کو ہر بلا سے بچائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کی طرف تمام انسانوں کی بازگشت ہے۔ بے شک ہم حق پر ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ نے کہا۔ بابا پھر ہمیں حق پر ہوتے ہوئے موت کی کچھ پروا نہیں۔ امامؑ نے فرمایا خدا تمہیں وہ بہترین جزا دے جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو دیتا ہے۔

(۱۲) عقبہ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت امامؑ سواری سے اتر پڑے، نماز پڑھی اور جلدی سوار ہو گئے اور اپنے اصحاب کے ساتھ بائیں طرف روانہ ہونے لگے اور چاہتے تھے کہ فوج کی گرفت سے اپنے ساتھیوں کو باہر نکال لائیں مگر حر بڑھ کر انہیں پھر پلٹا کر اپنے حدود میں لے آتا تھا لیکن جب حر انہیں سختی کے ساتھ کوفہ کی طرف لے چلنا چاہتا تھا تو یہ سختی کے ساتھ مزاحمت کرتے اور اس کے قابو سے نکل جاتے تھے۔ اسی صورت سے یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ نینوا میں اس جگہ پہنچا جہاں پر امام حسینؑ کا قیام ہوا اس وقت ایک مسلح سوار کا ندھے پر کمان رکھے کوفہ کی طرف سے آتا نظر آیا۔ سب رک گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ پہنچا تو اس نے حر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا، اور حسینؑ اور ان کے اصحاب کو سلام نہیں کیا۔ اس نے حر کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا۔ ”جہاں میرا خط اور قاصد پنچے وہیں سے حسینؑ کو سختی کے ساتھ روک لو اور انہیں بے آب و گیاہ زمین پر قیام کے لئے مجبور کر دو اور میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور جب تک میرے حکم کے پورا ہونے کی اطلاع نہ حاصل کر لے تمہارے پاس سے جدا نہ ہو۔

والسلام“

(۱۳) جب حُرنے یہ خط پڑھا تو امامؑ اور ان کے اصحاب سے کہا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کا یہ خط ہے، اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو اسی جگہ قیام پر سختی کے ساتھ مجبور کروں اور اس قاصد کو یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو مجھ سے الگ نہ ہو۔ یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاءؑ کنندی نے ابن زیاد کے قاصد کو دیکھ کر پہچانا اور کہا تم ”مالک بن نسر بدی“ ہو۔ اس نے اقرار کیا اور وہ بھی قبیلہ کنندہ سے تھا۔ یزید بن زیاد نے کہا ”خدا تمہیں غارت کرے۔ تم کا ہے کہ لئے آئے ہو؟“ اس نے کہا ”کا ہے کہ لئے آیا ہوں! میں اپنے امامؑ کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے۔“ ابو الشعثاءؑ نے کہا ”تم نے اپنے خدا کی تو نافرمانی کی اور اپنے امامؑ کی اطاعت کی جس سے اپنے

آپ کو ہمیشہ کی ہلاکت میں مبتلا کیا اور ننگ اور عذاب کوئی اپنے لئے حاصل کیا (قرآن میں ہے) کہ کچھ ایسے بھی امام ہیں جو جہنم کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور قیامت کے دن کو ان کا مددگار نہ ہوگا۔“ (قصص ۲۰/۲۱) آخر حر نے ان لوگوں کو اترنے پر مجبور کیا ایسے مقام پر جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی آبادی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو اس قریہ یعنی نینوا میں اترنے دو۔ یا اس قریہ غاضریہ میں، یا اس تیسرے شفیہ میں حر نے کہا: خدا مجھ سے یہ ممکن نہیں ہے، یہ شخص مجھ پر ننگراں بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۱۴) زہیر بن قین نے کہا فرزند رسول! ان لوگوں سے جنگ کرنا ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت ان سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گے۔ یقیناً اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی جن کے مقابلہ کی ہم کو طاقت نہ ہوگی۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں ان سے جنگ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا۔

(۱۵) پھر زہیر بن قین نے کہا کہ چلے اس قریہ میں قیام کریں یہ محفوظ بھی ہے اور فرات کے کنارے بھی ہے۔ اگر یہ ہم کو روکیں تو ہم ان سے مقابلہ کر لیں۔ ان سے مقابلہ بہر حال بعد والوں کے مقابلہ سے آسان ہوگا۔ امامؑ نے فرمایا وہ گاؤں کون سا ہے۔ جواب ملا ”عقر“، حضرت نے فرمایا خدا وندا میں عقر (بے نتیجہ ہونے) سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر حضرت نے وہیں قیام کیا۔ اور یہ واقعہ محرم الحرام ۱۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کے دن کا ہے۔

(۱۶) دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ سے چار

(۱) فوج بڑی کا شمار تیس ہزار سے ایک لاکھ تک معلوم ہوتا ہے۔ حضرت صادق آل محمدؑ سے امامؑ پر حملہ کرنے والوں کی تعداد تیس ہزار مر دی ہے۔ علامہ ابن طاووس کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں امام کے حملہ سے تیس ہزار فوج نڈی کی طرح بھاگتی تھی۔ امام حسینؑ کے رجز سے بھی فوج کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔ ابن سعد قدردانی عنوة، بجنود کوف الہا طلیں، مطالب السؤل ابن طلحہ شافعی میں ۲۲ ہزار بعض کتابوں میں ۹ ہزار ابن سعد کے ساتھ دو ہزار یزید بن رکاب کلبی کے ساتھ چار ہزار حصین بن تیم سکونی کے ساتھ تین ہزار مازنی کے ساتھ۔ دو ہزار نصر بن فلاں کے ساتھ۔ اس طرح تیس ہزار فوج ہوئی۔ ابن شہر آشوب نے صرف امامؑ کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس لکھی۔ صرف تیر انداز چار ہزار تھے۔ شہدائے کربلا نے چار ہزار سے زیادہ آدمی قتل کئے۔ عقبہ نے فوج کی وہ تعداد بتائی ہے جو ابتداء میں ابن سعد کے ساتھ آئی اس کے بعد فوج میں اضافہ ہوتا رہا۔

ہزار فوج کے ساتھ آگیا ابن سعد کے امام حسینؑ سے جنگ کے لئے آنے کا سبب یہ تھا کہ ابن زیاد نے اس کو اہل کوفہ کے ساتھ جانے پر مامور کیا تھا جہاں ولیم والوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے ملک رے کی حکومت کا پروانہ بھی اسے لکھ دیا تھا اور وہاں جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس فوج کو لے کر حمام العین میں جا کر ٹھہرا ہوا تھا کہ امام حسینؑ سے جنگ درپیش ہوگئی۔ ابن زیاد نے اس کو بلایا اور کہا تم پہلے حسینؑ سے جنگ کے لئے جاؤ۔ جب اس سے فراغت ہو جائے گی تو پھر اپنے کام پر جانا۔ عمر سعد نے کہا کہ اگر مناسب سمجھئے اور مجھے معاف فرما دیجئے تو بہتر ہے۔ ابن زیاد نے کہا ”ہاں یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب تم رے کی حکومت کا پروانہ ہمیں واپس کر دو“ جب یہ سنا تو عمر سعد نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت دیجئے کہ میں غور کر لوں۔ عمر سعد نے واپس آ کر جس سے بھی مشورہ کیا اس نے منع کیا۔ حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ جو اس کا بھانجا تھا آیا اور کہا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ حسینؑ سے جنگ کے لئے نہ جائیں۔ خدا کے یہاں بھی گنہگار ہوں گے اور حق قرابت کے خلاف بھی ہوگا۔ بخدا تمام دنیا کا مال و حشم اور سلطنت آپ کے ہاتھ سے نکل جائے تو اس سے بہتر ہے کہ آپ خون حسینؑ کا بار لئے ہوئے دنیا سے جائیں۔ عمر سعد نے کہا جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کروں گا۔ (لیکن عمرؑ سعد نے جو کچھ کیا وہ ظاہر ہے)

(۱۷) عقبہ کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور مکہ سے پھر عراق میں برابر ساتھ رہا۔ اور آخر وقت تک آپ سے جدا نہیں ہوا۔ اور آپ نے مدینہ، مکہ راستہ، عراق میں یا دشمن کی فوج سے جو بھی گفتگو کی اس کا ایک ایک لفظ میں نے سنا۔ جو لوگ آپس میں یہ چرچا کرتے ہیں اور غلط گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے پر راضی ہو گئے تھے بخدا امام حسینؑ بھی اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور نہ اس پر تیار ہوئے کہ آپ کسی سرحد پر بھیج دیئے جائیں۔

۱۔ عمر سعد ہماری مفصل کتاب ہے۔

بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ دو، میں خدا کی اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں۔ پھر دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔



نظم

”عقبہ بن سمان“

از سید الشعراء جناب سید محمد رفیع صاحب عرشی بلرام پوری

(۱)

اے قلم قوتِ اعجاز بیانی دکھلا
کروٹیں لیتی ہو جس میں ہمہ دانی دکھلا
دے جو پیری کو خدا داد جوانی دکھلا
لے کے آجائے جو کوثر کی روانی دکھلا

پیش عقبہ کی فداکاری کا آئینہ ہو
دولتِ فضلِ خدا داد کا گنجینہ ہو

(۲)

کون عقبہ؟ سرِ تنظیم ہدایاتِ حسین
ذی شرف صاحبِ تبلیغ نوائے حریم
شاہدِ معرکہ سبطِ رسولِ الثقلین
رایتِ افرازِ کمالاتِ امامِ دارین

مادرِ حضرتِ اصغرؑ کا جو تھا عہدِ وفا
راوی عینی ہے جو بہرِ شہِ کرب و بلا

(۳)

فخرِ خاتونِ جاناں مریمِ اسلامِ رباب
مادرِ حضرتِ اصغرؑ، حرمِ عرشِ جناب
خامسِ آلِ عبا کا تھا یہ قولِ نایاب
ہم کو محبوب ہے گھران کا بہ رب الارباب

تھے غلامِ ایسے مہ عز و شرف کے عقبہ
جن کی دہلیز پہ آتا تھا ملک بن کے گدا

(۴)

وہ غلامی کہ جو ہے آج بھی وجہِ صدعار
اسکا اسلام نے اونچا کیا کیسا معیار
وہ رسولِ عربی نوعِ بشر کا معمار
جس کا ہر فعل تھا عالم کے لئے تاج و قار

زیدو زینب کا کیا عقدِ شریعت دیکھیں
اک غلام ایک بہن اہل بصیرت دیکھیں

(۵)

کون تھے قیصرِ ذبیحہ، تھا کیا انکا نسب
دینِ اسلام بنا جن کا نسب اور حسب
یہ غلامی ہے کہ ہیں تاجِ عجم فخرِ عرب
زندگی جن کی ہے سرمایہ خوشنودی رب

تھے اسی طرح سے عقبہ بھی امینِ شبیر
تاجدارِ شرف و خسرو ملکِ توقیر

(۶)

یادِ وقتیکہ کہ شہِ دیں نے کیا گل تھا چراغ
جبکہ سینوں پہ نظر آتے تھے جرأت کے دماغ
جبکہ لو دیتے تھے لبریز محبت کے ایان
جبکہ تھا خون کے گرداب میں اسلام کا باغ

بحر سے موج نے جس طرح کنارہ نہ کیا
چھوڑ نا شاہ کا عقبہ نے گوارہ نہ کیا

(۷)

پھوٹ نکلا شفیق حق سے ضیاءِ قمر
یعنی عقبہ کی شہادت ہے با اندازِ دگر
اس طرف نشر و اشاعت تو ادھر تیغ و تبر
آنکھیں جس طرح ہیں دو ایک مگر ہر منظر

اس مجاہد نے لیا کام زباں سے ایسا
مقصدِ سیدِ مظلوم کو دی جس نے بقا

(۸)

کون ہے ختمِ رسلؐ سا سرِ فہرستِ کمال
پھر بھی پایا ہے نواسوں سے شہادت کا جمال
زندگی موت کی تمہید ہے اے اہلِ مقال
مرضیِ خالقِ کونین ہے ہستی کا مال

جس کو چاہے نگہِ ناز سرِ افراز کرے
ذکرِ شبیرؑ سے عقبہؑ کو بھی ممتاز کرے

(۹)

جیسے عابدؑ کے لئے تپ تھی شہادت کا بدل
بہرِ عقبہؑ تھا اسی طرح اسیری کا عمل
یہ ہے وہ مصلحتِ خالقِ عالم کا محل
صبحِ اوّل سے ہے جو عقدہٴ مالا نیل

حجتِ حق جو نہ ہوتا تو قیامت ہوتی
پھر تو اس عبد کی لاریب شہادت ہوتی

(۱۰)

نارواپانی ہے جس طرح بہ ایامِ صیام
عید کے دن وہی مشروب سے ہمراہِ طعام
سجدہٴ حضرت آدمؑ کا بھی ہے خاص مقام
بادب سر کے جھکانے ہی کا اسلام ہے نام

کفر، یعنی کہ ہے خالق کے مقابل ہستی
فسق، یعنی کہ پیغمبرؐ سے نہیں ربط کوئی

(۱۱)

جس طرح ماہی بے آب ہے مجبورِ فنا
کر دیا تھا اسی ماحول نے عقبہؑ کو جدا
ورنہ یہ جونؑ کے ہمدوش وہ لڑتے بخدا
حضرتِ حُر بھی پکار اٹھتے کہ ماشاء اللہ

مصحفِ مقصدِ شبیرؑ کی تفسیر مگر
ان کو کرنا تھی جو ہے نخلِ شہادت کا ثمر

(۱۲)

ایک لاکھ، اس سے سوا اور بھی چوبیس ہزار
انبیاءؑ کی ہے یہ تعداد، بہ فضلِ غفار
اور بالآ خر وہ کرمِ رحمتِ یزداں بہ کنار
کوہِ فاران ہوا جس سے سرِ عرش وقار

آگئے کرب و بلا میں وہ بہتر جلوے
ضو نے انگڑائی لی صیقل گری عقبہؑ سے

(۱۳)

صرف دو شرطوں کا اظہار جو حضرت نے کیا
ہو گیا خوش عمر سعد کہا شکرِ خدا
حاکمِ کونہ کو لکھا کہ ہوئی ردِ بلا
وہ بھی مایل تھا مگر شمرِ ستگر نے کہا

قتل و بیعت ہے جواب اسکا فقط دو لفظیں
اختیاران میں سے بس ایک کو شبیرؑ کریں

(۱۴)

کر بلا شمر جو پہنچا بہ جوابِ تحریر
ساتھ میں اپنے لئے ظلم کی اک فوج کثیر
ہاتھ مل کر عمر سعد نے کی یہ تقریر
تو نے سمجھا نہیں شبیرؑ ہیں کوہِ توقیر

امرِ بیعت کبھی ممکن نہیں ان باتوں سے
قتل اب آلِ نبیؐ ہوگی ترے ہاتھوں سے

(۱۵)

تیسری شرط کہ جانے دو ہمیں نزدِ یزید
بادشاہ دو جہاں پر ہے یہ بہتانِ شدید
کوئی ایسی نہ ہوئی وہم میں بھی گفت و شنید
حجتِ حق سے تھا العظمتہ اللہ بعید

کہہ دیا صاف کہ ظالم کی اطاعت ہے حرام
جان جاتی ہے تو جائے رہے لیکن اسلام

مرثیہ در حال حضرات عونؑ و محمدؐ (بند ۱۵۲)

سلطان الشعراء مولانا سید محمد کاظم جاوید اجتہادی

(۱)

جلوہ گر پھر رخ تابانِ سحر ہوتا ہے
ختم اب صورتِ شب دورِ قمر ہوتا ہے
محو بلبل کا ہر اک داغِ جگر ہوتا ہے
اس سپیدی میں بھی مرہم کا اثر ہوتا ہے

شب کا پردہ بھی نگاہوں سے ذرا ہٹ جائے
چاندنی کم ہو تو زخموں کی چمک گھٹ جائے

(۲)

ہر نظر شوق میں پھر سوئے فلک جانے لگی
قفسِ چشم سے نکلی بھی تو اترانے لگی
آمدِ فصلِ بہاری کی خبر لانے لگی
ٹھنڈی سانسیں جو بھریں کھنچ کے نسیم آنے لگی

پاکے ایمائے صبا پھر سے کھلے جاتے ہیں
داغ جتنے ہیں وہ پہلو میں ملے جاتے ہیں

(۳)

جا بجا آنکھیں بچھانے لگا ہر اک جادہ
جتنا امکان تھا سبزہ بھی ہوا استادہ
گل بھی پوشاک پہننے پہ ہوئے آمادہ
حیرت افزا تھا ہر اک پھول کا روئے سادہ

کون ایسا تھا کہ جس نے نہیں گل چینی کی
رخِ معشوق نے لی حد ہوئی رنگینی کی

(۴)

قطرے شبنم کے گل تر پہ ہیں باقی ہر سو
ہم نے تو سو کھتے دیکھے نہ کبھی یہ آنسو

کشتیاں ڈوبنے کے ڈھونڈھ رہی تھیں پہلو

کیا ابھی صبح کا تارہ ہے حجابِ لب جو
نشرِ غم دلِ ہرجن و ملک میں ڈوبا
نہر میں یہ، تو وہ دریائے فلک میں ڈوبا

(۵)

صبح کا نور بڑھا جب تو ضیا بھی آئی
آئینہ جاگنے والوں کو دکھا بھی آئی
ہر گل تر میں نزاکت بھی، ادا بھی آئی
بے بلائے ہوئے گلشن میں ہوا بھی آئی

اور بھڑکانے پہ اس نے تو کمر باندھی ہے
آتشِ گل کو تو کم کم بھی ہوا آندھی ہے

(۶)

ہے بڑی بات کہ معشوق نہیں برسرِ جور
جو کہ عشاق میں مینا ہیں وہی کرتے ہیں غور
یوں تو ظاہر میں ہر اک پھول کا ہے ایک ہی طور
بڑیہ کہتی ہے کہ یہ اور ہے، وہ پھول ہے اور

اور نظارہٴ گل کر لیں کوئی دم آنکھیں
پھر کہاں پھول، کہاں جگر کی پُرم آنکھیں

(۷)

ایک ہی بار جو ہر غنچہ تر آج کھلا
دب کے چلنے لگی اس وجہ سے گلشن میں ہوا
کہیں اب باغ میں تل رکھنے کی باقی نہیں جا
اب جگہ گل کی نہیں قلبِ عنادل کے سوا

نہ ٹھہرنے کا، نہ جانے کا کہیں یارا ہے
نکبتِ گل اسی باعث سے تو آوارہ ہے

(۸)

آج سرکارِ گلِ تر میں نہیں رسمِ ادب
اب تو جو چاہے وہ بلبل بھی کہے کھل گئے لب
خواہش وصلِ گلِ تر پہ اسے یاس ہے کب
عادۃً وہ ہنسی، یہ سنجھی بر آیا مطلب

اپنے مطلب کی ہر اک طرح سے بلبل سنجھی
کوئی کانٹا کہیں دیکھا تو رگِ گل سنجھی

(۹)

ایک سے ایک کو ہے کوئی شکایت نہ گلہ
یہ سبب تھا کہ جو شاخوں کے اٹھے دستِ دعا
جب تلک یوں نہ چلے ناز سے گلشن میں ہوا
عقدہ غنچہ سر بستہ کسی سے نہ کھلا

گل کے پہلو کو دبائے ہیں تو اتراتے ہیں
دل میں اس باغ کے کانٹے بھی چبے جاتے ہیں

(۱۰)

ایک آئینہ بنی جاتی ہے حیرانی گل
چشمِ بلبل پہ ہوئی فرض نگہبانی گل
ذکرِ بلبل ہے فقط وجہ پریشانی گل
توبہ وہ وصل کی خواہش، وہ پشیمانی گل

آج یاں جمع سخن بین سخنِ سنخ بھی ہیں
ہیں جہاں عاشق و معشوق وہاں رنج بھی ہیں

(۱۱)

واہ آغاز میں بھی ہو گیا انجام کہیں
روئے گل دیکھتے ہیں عاشقِ بدنام کہیں
کھولے ہے سنبلِ تر زلفِ سیہ فام کہیں
ایک گلشن میں کہیں صبح ہے اور شام کہیں

جن کے زخمی ہیں جگر پاس نہیں آتے ہیں
چاند خود چاندنی کے پھول بنے جاتے ہیں

(۱۲)

بس زباں بس کہ دیا فکر میں بیکار ہی طول
رنج سے ظاہر ہے کہ احباب کی خاطر ہے ملول
جلد اب بہرِ حصولِ شرفِ باغِ رسول
یاد وہ آگئے دو گل، جو حقیقت میں ہیں پھول

رنج کا نام نہ باقی رہے، راحت ہو جائے
ذکر سے جن کے یہ مجلسِ ابھی جنت ہو جائے

(۱۳)

کون سے پھول کہ جن پھولوں پہ جانیں ہیں نثار
اہلِ عالم سے سوا جن کی ملائک میں پکار
دونوں عالم میں ہیں یکتا تو یہی گلِ رخسار
زینتِ دہر کبھی اور کبھی جنت کی بہار

نہ کبھی دھوپ میں بھی گھر سے نکالا جن کو
کون وہ خواہرِ شبیر نے پالا جن کو

(۱۴)

شبِ عاشور سے ان دونوں کے برہم ہیں مزاج
جنگ کا شوق ہے بس، ہے ہوسِ تخت نہ تاج
بس فقط ہیں در سلطانِ زماں کے محتاج
ان کو گھوڑوں کی بلندی کی ملے گی معراج

کبھی کام آئیں گے شبیر کے بازو ان کے
بات کرنے میں نکل آتے ہیں آنسو ان کے

(۱۵)

شب کو کہتے تھے یہ آپس میں وہ دونوں جرار
کل لٹے گی اسی جنگل میں علیٰ کی سرکار
فرض یہ ہے کہ کریں نصرتِ شاہِ ابرار
ہاں اسی وقت سے کاٹھی سے جدا ہو تلوار

مصلحت جو کہ ہے اچھا ہے جو پیاسے ہم ہیں
شرم لازم ہے کہ حیدر کے نواسے ہم ہیں

(۱۶)

وقت کم رہ گیا لڑنے میں نہیں ہے کوئی دیر
شکر اس کا ہے کہ جینے سے طبیعت بھی ہے سیر
کہیں رکتے ہیں وہ فوجوں سے جو حیدر کے ہیں شیر
کاٹھیاں توڑ کے پھینکی تو ہوئے خوش وہ دلیر

شوق بے حد تھا جو دونوں کی نگہبانی کا
جامہ تیغوں کو پسند آگیا عریانی کا

(۱۷)

کبھی کہتے تھے وہ ضرغام دلیر و صفر
ہمیں دونوں پہ ہمیشہ سے ہے ماموں کی نظر
ہوگی ہم پر مدد روح جناب حیدر
گر خدا چاہے تو لیتے ہیں نشان لشکر

وقت پر دونوں میں ہر ایک خبردار ہے
ہو نشان ایک میں اک ہاتھ میں تلوار ہے

(۱۸)

کرچکے شوق و غا میں جو یہ ساری باتیں
رات کے ساتھ ہوئیں ختم وہ پیاری باتیں
پھر یہ کیوں خود ہی بصد گریہ و زاری باتیں
بھائی! اماں کہیں سن لیں نہ ہماری باتیں

جوش جو ہم سے محبت کا ہے کم ہوتا ہے
ان کو تو نام علم سن کے الم ہوتا ہے

(۱۹)

خیر آئے تو کہیں جنگ و جدل کا ہنگام
بچ کے جاتا ہے کہاں ہاتھوں سے یہ لشکرِ شام
ہم علم پائیں نہ پائیں نہیں کچھ اس سے بھی کام
ضد یہ ہے فوج مخالف کا کریں کام تمام

یہی بہتر ہے برائی کہ بھلائی سن لے
جو علمدار ہو لشکر کی دہائی سن لے

(۲۰)

فوج دشمن کے کبھی ظلم و ستم کم نہ ہوئے
تھے یہ بے دیں کہ مطیع شہ عالم نہ ہوئے
اب تلک تو وہ پرے درہم و برہم نہ ہوئے
ایک حسرت تو یہی ہے کہ جواں ہم نہ ہوئے

سامنے پھر تو نہ کوئی ستم ایجاد آتا
ہم بھی اس طرح سے لڑتے کہ خدا یاد آتا

(۲۱)

ہم سے کیا بڑھ کے لڑیں گے سپہ شروالے
اُن کو کیا خوف و خطر جو کہ ہیں حیدر والے
کب یہ کہتے ہیں لڑیں ہم سے برابر والے
سامنے آئیں جواں خندق و خیبر والے

کسی جانب کو پریشان ہوا ٹھیرے تو
لشکر شر سے لڑائی کی بنا ٹھیرے تو

(۲۲)

گھر کی جانب جو پھریں گے تو پھریں گے مر کے
نہیں ہٹنے کے بھی جو ہر ہیں ہمارے گھر کے
ہو جو سن کم ہے، نواسے تو ہیں ہم حیدر کے
اپنی تلواروں سے کاٹیں گے گلے لشکر کے

یوں تصور سے طبیعت جو اُدھر جانے لگی
دیکھ لو نیچوں سے خون کی بو آنے لگی

(۲۳)

کیوں نہ بے چین ہوں ہے خاص دلیروں کی یہ خو
دونوں نے طرز اجازت کے بھی ڈھونڈھے پہلو
جنگ کے جوش میں برہم ہوئے ان کے گیسو
اُف رے غصہ کہ ٹپکنے لگا آنکھوں سے لہو

فوج کے منہ پہ تصور سے چڑھے جاتے تھے
جو ہر اُن نیچوں کے اور بڑھے جاتے تھے

(۲۴)

دلِ دشمن کو جو کرتے ہیں تصور میں ہدف
لشکرِ شام کی جانیں ہوئی جاتی ہیں تلف
حد کے بے چین ہیں وہ جانِ دلِ شاہِ نجف
پاؤں بے قصد بڑھے جاتے ہیں میدان کی طرف

جو کہ ظاہر کے ہیں وہ جاہ و حشم چھینیں گے
کہہ رہی ہیں یہ نگاہیں کہ علم چھینیں گے

(۲۵)

ختم ہوتے ہی نہ تھے یہ سخن سوز و گداز
غیظ کے روکنے کو آئی اذایں کی آواز
اُس طرف مجھِ عبادت ہوئے سلطانِ حجاز
یہ بھی ظاہر ہوئے تاحق کی بجائیں نماز

تھی خوشی پر نہ توجہ، نہ نظر غم کی طرف
ہر نمازی کا تھا رخ قبلہ عالم کی طرف

(۲۶)

جب ملی شہ کو نمازِ سحری سے فرصت
تیر برسائے لگے شاہ پہ اہل بدعت
یہ عوض اس کے، بجلائے جو حق کی طاعت
شاق تھی لشکرِ کفار پہ اتنی مہلت

آگیا تھا جو قرین وقت بھی خورسندی کا
اذن ہر اک کو دیا شہ نے کمر بندی کا

(۲۷)

بعد تعقیب چلے جانبِ خیمہ سرور
اس طرف حضرت عباسؑ ادھر تھے سرور
سہرہ اُلٹے ہوئے چہرہ سے حسن کا دلبر
بڑھ گئے سب تو چلے زینبؑ و مسلمؑ کے پسر

فرط اندوہ سے سب جانِ حزیں کھونے لگے
آئے خیمہ میں جو یہ سب، تو حرم رونے لگے

(۲۸)

حکمِ شہ نے دیا آئے علم پاکِ رسول
لائیں زینبؑ تو ہوئے دیکھ کے خود آپ ملول
کہا کچھ سوچ کے پھر شہ نے کہ اے بنتِ بتول
وقت اتنا کہاں تقریر میں زیبا نہیں طول

چشمہ فیض و کرم کا اُسے پانی دے دو
تم جسے چاہو محمدؐ کی نشانی دے دو

(۲۹)

کہہ چکے سب جو اشاروں میں شہنشاہِ ام
کہا زینبؑ سے، بہنِ منتظر وقت تھے ہم
دے دیا حضرت عباسؑ کو زینبؑ نے علم
بچے کچھ سوچ کے بولے کہ مبارک یہ حشم

اس کے سائے میں لڑیں گے، یہ قسم کھائی ہے
آج رایت ہی کے پردہ میں مراد آئی ہے

(۳۰)

گھر سے شبیرؑ چلے واں جو بجا طبلِ وغا
آگے ہر اک کے علمدار علم لے کے بڑھا
سائے کی طرح ہوئے ساتھ جو یہ ماہِ لقا
کہا بچوں سے یہ زینبؑ نے کہ یہ کیا، یہ کیا

حق ادا کر چکے عباسؑ کی غنغاری کا
کیا دلا دوں تمہیں عہدہ میں علمداری کا

(۳۱)

کہا بچوں نے ہماری نہیں اماں یہ مجال
مستحق اس کا ہے بس حیدرؑ کرار کا لال
ہاں ہمیں رات کو کچھ اپنی جگہ پر تھا خیال
اب تو اس وقت نہ غم ہے، نہ الم ہے، نہ ملال

سچ ہے، انصاف جو ہے ختم ہے حضرت کے لئے
ہم قریب آئے تھے چہرے کی زیارت کے لئے

(۳۲)

کہا زینبؓ نے یہی چاہئے اے شیرواہ
یہ مناسب ہے کہ رایت پہ پڑے بھی نہ نگاہ
شوق تم دونوں کو لڑنے کا ہے، میں بھی ہوں گواہ
خیر، اب جاؤ سدھارو شہؓ دیں کے ہمراہ

حال زینبؓ نے کہا ہے جو اشاروں کی طرح
درِ خیمہ سے نکل آئے وہ تاروں کی طرح

(۳۳)

پھرتو لے لے کے اجازت ہوئے جرارواں
یوں لڑے بھی وہ کہ قائل ہوئے ہر پیرو جواں
سچ ہے دنیا میں مگر موت سے مہلت ہے کہاں
دم میں باقی نہ رہا شہؓ کے رفیقوں کا نشان

بغض گردوں نے بھلا کب کے نکالے شہؓ سے
اب بچھڑنے لگے سب گود کے پالے شہؓ سے

(۳۴)

ہاں لڑے فوج سے عباسؓ کے بھائی کیا کیا
سب کو دکھلا گئے ہاتھوں کی صفائی کیا کیا
دی ستمگاریوں نے حیدرؓ کی دوہائی کیا کیا
دل پہ حضرت نے سبے داغ جدائی کیا کیا

ہائے وہ لخت جگر نورِ نظر قتل ہوئے
بعد ان شیروں کے مسلمؓ کے پسر قتل ہوئے

(۳۵)

گھر میں ان بچوں کی لاشیں جو گئیں روئے حرم
کون سے گوشے سے آئی نہ صدائے ماتم
صف پہ ماتم کی جو مجمع تھا ہوا وہ برہم
اور ہی حضرت زینبؓ کا ہوا کچھ عالم

کہا فضلہؓ سے کہ بچے مرے کیا کرتے ہیں
گھر لئے جلد یہ، شاید وہ دعا کرتے ہیں

(۳۶)

اب لڑیں یا نہ لڑیں، کچھ مجھے مطلب ہے نہ کام
خوب بچپن میں جوانوں سے زیادہ ہوئے کام
خوب پسپا ہوا تیغوں سے وہ سب لشکرِ شام
خوب آغاز سے بہتر ہوا ان کا انجام

اب جو مرجائیں تو روئیں نہ شہؓ صفر بھی
بلکہ لاشوں سے رہیں دور علی اکبرؓ بھی

(۳۷)

اس طرف تو ہے عیاں باتوں سے غصے کا اثر
اُس طرف پائے شہؓ دیںؓ پہ گرے ہیں وہ قمر
عرض کرتے ہیں شہؓ دیںؓ سے یہ زینبؓ کے پسر
دیتجئے اذن کہ ہے خوفِ عتابِ مادر

اک تمنا ہے ہمیں خون میں اب بھرنے کی
آرزو ہم کو تو اک عمر سے تھی مرنے کی

(۳۸)

شہؓ نے فرمایا کہ کچھ ہے مرے دل کی بھی خبر
دونوں پیارے ہو، کہ ہو پیاری بہن کے دلبر
کیا کروں صبرِ ریاضت کو بہن کی کھو کر
کاش چل جائے مرے حلق پہ پہلے خنجر

کیا کروں گا جو نہ تم دونوں کو رخصت دوں گا
ماں سے مل آؤ تو پھر میں بھی اجازت دوں گا

(۳۹)

خیمہ شاہِ فلک جاہ میں وہ ماہ گئے
لولہ جنگ و جدل کا لئے ہمراہ گئے
سوچ کر دل میں ہر اک راہ حق آگاہ گئے
سب سے پہلے یہ سوئے زینبؓ ذی جاہ گئے

دل پہ ہے ابر الہم، صرف بکا ہیں اماں
رخ کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ خفا ہیں اماں

(۴۰)

عرض کی رعب سے جرأت تھی، نہ کہنے کی مجال
سرچھکائے ہوئے خاموش تھے وہ نیک خصال
کہا بانو نے کہ کیا دونوں کے چہروں کا ہے حال
التفات آپ کریں، جاتے ہیں مرنے کو یہ لال

یاں سے سیدھے طرف خلدِ بریں جائیں گے
شان کہتی ہے کہ اب پھر کے نہ یہ آئیں گے

(۴۱)

اتنے میں شاہ بھی آئے تو یہ زینبؓ نے کہا
بھائی اک امر کا ہے آپ سے بھی مجھ کو گلا
سب کے سب ہو چکے پائے شہ عالم پہ فدا
آپ نے کیوں نہ مرے بچوں کو دی رن کی رضا

خاص اک ان پہ توجہ ہے یہ پہچان گئی
کیا یہ صدقے کے نہ قابل تھے میں قربان گئی

(۴۲)

کہا حضرت نے بہن ان کا نہ تھا کوئی قصور
پہلے کس طرح سے لڑتے یہ خلاف دستور
تھانہ کچھ دیر مقدر کو رلانا منظور
وقت پر ہوتے ہیں وہ، جو کہ خدا کے ہیں امور

مرضیٰ حق نہ تھی دنیا سے گذرتے کیوں کر
موت اب آئی ہے اُس وقت یہ مرتے کیوں کر

(۴۳)

شوق سے جانب فردوس بریں اب ہوں رواں
تہلکہ گھر میں پڑا جب یہ کیا شہ نے بیاں
جھک کے تسلیم بجالائے جو دونوں ذیشاں
کہا بے ساختہ زینبؓ نے کہ قرباں اماں

موت بچپن ہی میں لے جانے کو آئی پیارو
تم نے مجھ کو نہ جوانی بھی دکھائی پیارو

(۴۴)

سر سے تاناخن پالیں جو بلائیں کئی بار
دل ہوا فرط غم و رنج سے کچھ اور فگار
دیکھ کر ہاتھ میں دونوں کے درخشاں تلوار
کہا میں جرأت و ہمت پہ فدا، تم پہ نثار

امر اب کوئی خوشی کا نہیں ہونے والا
کون اب ہوگا مری لاش پہ رونے والا

(۴۵)

کبھی بانو سے یہ کہتی تھی یہ دن تھے مسعود
کیوں میں روتی کہ تسلی کو پسر تھے موجود
قابل دید سمجھتی تھی بڑے کی میں نمود
دیکھ کر چھوٹے کا چہرہ کبھی پڑھتی تھی درود

جاں بہ لب صبح سے یہ آج ہیں پانی کے لئے
نذریں مانی گئیں تھیں ان کی جوانی کے لئے

(۴۶)

اس طرح سے نہ کسی گھر کی بھی بربادی ہو
جس سے دو بچھڑیں وہ کس طرح نہ فریادی ہو
اب یہ ہے فکر مجھے رنج سے آزادی ہو
سہرے بھی باندھ لوں تادل کو ذرا شادی ہو

اب نہ میدان سے پھر کے یہ ادھر آئیں گے
میرے ارمان یہ دو خاک میں مل جائیں گے

(۴۷)

قابل دید تھا دراصل یہ تازہ گلشن
لاکھ دولاکھ میں یکتا تھے مرے غنچہ دہن
نور پوشاک سے ظاہر ہے کہ تھے آئینہ تن
وہ قباؤں کے طریقے وہ عماموں کی پھین

آج پھر اپنے پرانے کی دعائیں لے لوں
دے کے سرمہ بھی ان آنکھوں کی بلائیں لے لوں

(۴۸)

دن شب تار ہوا آنکھ میں سرمہ دے کر
کہا تم پہلے پہل گھر سے چلے ہو باہر
دھوپ جنگل کی ادھر، پیاس کی شدت ہے ادھر
گر ملی قبر تو نیند آئے گی تم کو کیوں کر

قلب نازک سے کہیں بارگراں اٹھتا ہے
اس تصور میں مرے دل سے دھواں اٹھتا ہے

(۴۹)

خیر اب جاؤ خدا حافظ و ناصر پیارو
ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہوتے ہیں آخر پیارو
دیکھو روتے ہیں شہ صابرو شا کر پیارو
چھٹتے ہو اب مرے جنت کے مسافر پیارو

ہائے اس عالم غربت میں کدھر جاؤں گی
تم جو زندہ نہ ملو گے تو میں مرجاؤں گی

(۵۰)

کہا اک بات سنو اور میں قرباں تم پر
گو بہت پیاس سے پھٹکتا ہے سینہ میں جگر
سب طرف جانا پہ دریا پہ نہ جانا دلبر
ہے مناسب کہ نہ ہو پائے نظر آب سے تر

یاس خود اپنی جگہ قلب کو سمجھائے گی
پیاس دریا کو نہ دیکھو گے تو بجھ جائے گی

(۵۱)

منہ بھی اب شام و سحر آنسوؤں سے دھوؤں گی
اب اسی ہجر میں میں جانِ حزیں کھوؤں گی
ہجر کی راتیں ستائیں گی تو کیا سوؤں گی
لاشیں دودیکھوں گی اک بارتو ہاں روؤں گی

تہہ وبالا ہوا جب قلب پریشاں ان کا
ہاتھ سے چھوڑ دیا ماں نے بھی داماں ان کا

(۵۲)

رشکِ خورشید تھے اور ماہِ جبیں تھے دونوں
خانہ قلب پریشاں کے مکیں تھے دونوں
نام دو نے ہوئے جیسے وہ نگیں تھے دونوں
بڑھ کے کچھ حضرت یوسف سے حسین تھے دونوں

کبھی راحت سے نہ اُس کا دلِ ناکام ملا
بے طے ان سے نہ خود موت کو آرام ملا

(۵۳)

مل کے ہر ایک سے خیمے سے یہ صفر نکلے
جس طرح بطنِ صدف سے کبھی گوہر نکلے
شیرِ بیشہ سے کہ خیمہ سے دلاور نکلے
مل کے لڑنے کے لئے جعفر و حیدر نکلے

معدنِ نور نہ کیوں عالم اسباب بنے
جتنے ذرے تھے وہ خورشید جہاں تاب بنے

(۵۴)

دل کو سیماب بنائے تھا جوشوقِ پیکار
پہلے ہی سے دردِ دولت پہ تھے حاضر رہوار
سامنے بیٹھے تھے کرسی پہ امامِ ابرار
جھک کے تسلیم کی جب ہو گئے گھوڑوں پہ سوار

پالیا دل کے ارادوں کو جو رہواروں نے
رخ وہیں سے کیا میدان کا جزاروں نے

(۵۵)

دیکھ کر فوجِ مخالف کے ہوئے دل تھوڑے
ہاتھ خود نصرت و اقبال نے بڑھ کر جوڑے
ہاتھ میں نیچوں کی طرح سنبھالے کوڑے
یا علی کہہ کے دلیروں نے اڑائے گھوڑے

کیا ایما کہ یوں ہی فتح و ظفر ساتھ آئے
یوں اڑے وہ کہ نہ سائے کو قدم ہاتھ آئے

(۵۶)

دونوں رہوار چلے یوں کہ اوڑیں جیسے پرند
جست کے وقت انہیں ایک تھاسب پست و بلند
یال کے بال بنے کھینچنے کو دل کی کمند
صورتیں دونوں کی مرغوب جہاں، سب کو پسند

ہر طرف ٹھوکریں خود کبک دری کھاتے تھے
سن جو کم تھے تو قدم رکنے میں اتراتے تھے

(۵۷)

دید سے اپنے سواروں کی ہیں پر نور آنکھیں
روش شمع ضیاء سرطور آنکھیں
جام ابلے ہوئے ہیں چار کہ مخمور آنکھیں
پردہ شرم میں ہر وقت ہیں مستور آنکھیں

اُس کے یہ گھوڑے ہیں اصطل جو سرکاری ہے
دامن حضرت یوسف ہے کہ اندھیاری ہے

(۵۸)

ایک آواز قدم میں بھی ہے سوطر کی لاگ
لہر سائے کی فقط دیکھ کے تڑپا کئے ناگ
اور آفت ہوئی بھولے سے اگر مل گئی باگ
دونوں گرمائے تو میدان میں بھڑکنے لگی آگ

گرم رفتار لہو بھی دم مہمیز ہوا
یہ براق اور وہ رفرف سے سوا تیز ہوا

(۵۹)

ساتھ ان گھوڑوں کے کیوں چل کے نہ پچھتائے ہوا
ٹھنڈی سانسیں بھرے اس طرح سے شرمائے ہوا
خود یہ کہتے ہیں کہیں ان سے نہ اب جائے ہوا
ٹھوکریں کھاتی ہوئی ساتھ چلی آئے ہوا

کھل گیا سب پہ کہ شرمندہ کن صرصر ہیں
حد ہوئی اپنے تصور سے بھی یہ باہر ہیں

(۶۰)

وہم میں بھی کبھی آتی نہیں ان کی تگ و دو
واہ کیا ذکر کہ اک چال میں ہیں خوبیاں سو
ہے ہلال فلکی نعل کی پیدا ہوئی ضو
دھوپ میں اس کی چمک ہے کہ کسی شمع کی لو

خود چھپے ابر کے پردہ میں یہ شرم آتی ہے
آج سے برق نگاہوں سے گری جاتی ہے

(۶۱)

بار سے سم کے نہ پڑ مردہ ہوئے غنچہ و باغ
کاوے گرتے ہیں تو آجاتے ہیں گردش میں ایان
نقش پاکب ہیں یہ میدان میں روشن ہیں چراغ
چھوٹے شہزادہ کے گھوڑے کا فلک پر ہے دماغ

کچھ سبب چاہئے تھا رحمت باری کے لئے
پھر براق آیا محمد کی سواری کے لئے

(۶۲)

مژدہ اک بن کے چلا، ایک خبر بن کے چلا
ایک شمشیر تو ایک تیر نظر بن کے چلا
برق اک بن کے چلا، ایک شرر بن کے چلا
آہ اک بن کے چلا، ایک اثر بن کے چلا

گیسو و رخ کے تصور سے نئی بات ہوئی
کبھی دن ہو گیا رستے میں کبھی رات ہوئی

(۶۳)

وہ تگاپو فرسوں کی وہ سواروں کی نمود
یہ سمجھتے بھی نہ تھے فوج مخالف کا نمود
تھے مدد کے لئے خود حیدر صفدر موجود
پڑھتے تھے دیکھ کے سب عون و محمد کو درود

جوش لڑنے کا ہوا چھیڑ کے رہوار بڑھے
آچکے تیر ادھر سے تو یہ جرار بڑھے

(۶۴)

نیچوں سے تہ و بالا ہوا سارا لشکر
پاؤں پر ان کے جو گرتے تھے وہی گرتے تھے سر
ایک کو ایک کی اس حشر میں تھی کچھ نہ خبر
کہہ دو جبریل سے پھر دیکھیں و غائے حیدر

دھیان اپنا رکھیں، ہاتھوں کی صفائی دیکھیں
پر سمیٹے ہوئے بچوں کی لڑائی دیکھیں

(۶۵)

خاک پر کوئی ادھر کوئی ادھر ہے بیدم
ایک کو ایک لڑاتا ہے فقط دے کے قسم
دونوں بچوں کی و غا سے ہے یہ مجمع برہم
گرد کے ساتھ ہی اٹھ جاتے ہیں بچوں کے قدم

خود ہوا کا ہے یہ عالم تہ زیں چھپتی ہے
ڈر سے خود آڑ میں مردوں کے زمیں چھپتی ہے

(۶۶)

ہوش میں اپنے سنگمر نہیں آنے والے
سب میں مشہور ہوئے منہ کے چھپانے والے
مڑ کے دنیا کو نہیں دیکھتے جانے والے
خود ہی بے جاں ہوئے لاشوں کے اٹھانے والے

چال کی شونیوں پر رکھ کے فقط ٹالتے ہیں
گھوڑے زندوں کو بھی پامال کئے ڈالتے ہیں

(۶۷)

زرد سبزہ ہوا گرم آہوں سے جو تھادھانی
نہر پر جا کے بھی زینب کی نصیحت مانی
تشنہ کاموں نے حقیقت نہ ذرا بھی جانی
فرط خجلت سے ہوئی نہر بھی پانی پانی

قلب لشکر کو دعاؤں کے اثر نے توڑا
دل حبابوں کا فقط تند نظر نے توڑا

(۶۸)

شور برپا تھا کہ ہم سب ہوئے جاتے ہیں تباہ
بھاگنے کی ستم ایجادوں کی ملتی تھی نہ راہ
منہ کو پھیرے ہوئے لڑتے تھے جو وہ غیرت ماہ
کہتے تھے حضرت عباسؑ کہ ماشاء اللہ

تم سے ہے جس کو کدورت ستم ایجاد ہے وہ
اس گھرانے کی جو طاقت ہے خداداد ہے وہ

(۶۹)

کیوں نہ اشیع ہو کہ تم بنت علیؑ کے ہو پسر
پیاس میں اور یہ لڑائی یہ نہیں کاربشر
دم کہیں لے لو بہت تھک چکے ہو اے دلبر
نہر بھی چھینتے گر منع نہ کرتیں خواہر

ہاتھ چلتے تھے یونہی پاؤں یونہی گڑتے تھے
ہاں یوں ہی خندق و خیبر میں علیؑ لڑتے تھے

(۷۰)

کسی سفاک کے بھی زور کو چلنے نہ دیا
اُن سواروں کو بھی گھوڑوں پہ سنبھلنے نہ دیا
کسی بے رحم کو پہلو بھی بدلنے نہ دیا
خون کیوں تن میں نہ کھولے کہ نکلنے نہ دیا

معر کے صبر و شجاعت کے یونہی جھیلے ہیں
شیر کے بچے شکاروں سے یونہی کھیلے ہیں

(۷۱)

گر کے تڑپا جو کوئی اور ہوئے یہ برہم
اس کے (مر جانے) پہ بھی غیظ ہوا ان کا نہ کم
جنگ خیبر میں جو تھا شیر خدا کا عالم
بس اُسی طرح سے لڑتے تھے یہ باجاہ و حشم

واہ کیا خوب رہی ضرب خداداد کی بھی
دم جو ٹوٹا تو صدا آگئی فریاد کی بھی

(۷۲)

جان بچنے سے بھی بجھتے نہیں اب تو آنسو
دل پہ مطلق ہے نہ زور اب نہ جگر پر قابو
دیکھ لو خاک اوڑاتی ہے ہوا بھی ہرسو
کروٹیں لینے سے زخمی ہیں زمیں کے پہلو

سانس اکھڑی ہو تو پھر سینہ میں دم کیا ٹھیریں
خون کی بوہی نہ ٹھہرے تو قدم کیا ٹھیریں

(۷۳)

کم نہ تھی برق جہاں تاب سے تیغوں کی چمک
ان کی یکتائی کے قائل ہوئے سب جن و ملک
کوئی عالم میں نہ اس طرح لڑا آج تلک
خون فریاد کو اوڑ اوڑ کے گیا تابہ فلک

امر وہ جمع ہیں جو باعث حیرانی ہیں
دامن اس وقت ملائک کے بھی افشانی ہیں

(۷۴)

دمبدم خون کے کس طرح نہ روئیں آنسو
ڈوب کر مر گئے وہ لوگ جو بھاگے لب جو
اتفاقاً جو قریب آگیا کوئی بدخو
دونوں شہزادوں نے زخمی کئے دونوں پہلو

ہو گیا اور وہ تیور نہ رہے دل نہ رہا
اب تو کروٹ کے بدلنے کے بھی قابل نہ رہا

(۷۵)

کسی قابل نہ رکھا شیروں کی لکاروں نے
ساتھ چھوڑا پسر سعد کا سرداروں نے
شوق سے رخ کیا دوزخ کا گنہگاروں نے
باخبر کر دیا تلواروں کی جھٹکاروں نے

قلب لشکر میں جو یہ شیر ثریاں جا پہنچے
بودے شیطان کے خیمہ کے قریب آپہنچے

(۷۶)

کبھی آپس میں یہ کہتے تھے وہ دونوں مہرو
ولولہ جنگ کا ہے غول
ہاں خوشی میں بھی ہیں کچھ رنج و الم کے پہلو
زخم ہنستے ہیں تو دے دیتے ہیں آخر میں لہو

شیر جائے گا لڑائی کے لئے شیر کے بعد
پسر سعد بھی بھاگے گا مگر دیر کے بعد

(۷۷)

پسر سعد کی شاید کہ اجل ہے آئی
بزدلے نے کوئی تلوار نہ اب تک کھائی
کہا چھوٹے نے کہ یہ بات مجھے بھی بھائی
یا علی کہہ کے بس اب باگ اٹھاؤ بھائی

پہلے ہو جائے عیاں امر جو کچھ بعد کا ہے
چلے وہ سامنے خیمہ پسر سعد کا ہے

(۷۸)

نظری کر چکے چہرے تو نقائیں کاٹیں
کبھی زیں کاٹ کے گھوڑے کی رکائیں کاٹیں
عون نے شوق میں کس حسن سے دائیں کاٹیں
رشتہ عمر کی مانند طنابیں کاٹیں

حال بودے کا بھی میزان نگہ میں تل جائے
کہیں سردار کے خیمہ کا نہ پردہ کھل جائے

(۷۹)

جان کیا اس کی بچے جس کو اسد لکاریں
یہ ارادے ہیں کہ اب شمر و عمر کو ماریں
قہر ڈھاتی ہیں چمکتی ہوئی دولواریں
ڈر کے زخموں سے نکلتی ہیں لہو کی دھاریں

خشک آنسو ہوں نہ کیوں خوف سے چشم ترکے
مر نہ جائیں تو کبھی دم بھی نہ نکلیں ڈر کے

(۸۰)

پہلوں دو تھے نہایت ہی قوی و سرہنگ
واقعی دیر سے وہ دونوں تھے آمادہ جنگ
نام بچوں کا سنا تھا تو ہوئے تھے دل تنگ
ہو و غنا اکبر و عباس سے یہ تھی آہنگ

کلے غیظ کے ہر بار وہ کہہ جاتے تھے
دمدم تول کے تلواروں کو رہ جاتے تھے

(۸۱)

دونوں سو معرکہ جنگ بھی جھیلے ہوئے تھے
اپنے سینے سے پہاڑوں کو بھی ریلے ہوئے تھے
بچپن سے وہ شقی جان پہ کھیلے ہوئے تھے
مار کر سب کو زمانہ میں اکیلے ہوئے تھے

تن کا سادہ سا ورق یوں تو نہ بھاتا تھا انہیں
زخم جب تک نہ پڑیں چین نہ آتا تھا انہیں

(۸۲)

خود سے وہ دونوں شقی آئے قریب سردار
کہا یہ کیا ہوا کیوں بھاگ گئے ظلم شعار
تاقیامت رہے آباد ہماری سرکار
آج سے ہم نہ لگائیں گے کمر میں ہتھیار

منہ نہیں دیکھتی خود ڈھال بھی فرط غم سے
وہ کشیدہ ہے تو یہ داغ ہے بیدل ہم سے

(۸۳)

آج سے ہم تو لڑائی کا نہ لیں گے کبھی نام
ہم بھی بدنام ہوئے بھاگ گئی فوج تمام
جو سپاہی ہیں لڑائی سے فقط ہے انہیں کام
ہم خوشی سے کبھی مالک کو نہ کرتے تھے سلام

نگہ قہر سے دب جاتی تھیں خود دھاریں بھی
سر جھکاتی تھیں ہمیں دیکھ کے تلواریں بھی

(۸۴)

کہا سردار نے اس ذکر سے کیا حاصل ہے
تنغ ہراک کی سم آلودہ ہے یا قاتل ہے
ہم نے مانا کہ قوی سب سے تمہارا دل ہے
ہاں مگر شیر کے بچوں پہ ظفر مشکل ہے

تھے جو انبار طلا خاک کے تودے نکلے
جو بڑے شیر زبردست تھے بودے نکلے

(۸۵)

کہا ہم دونوں کا باقی بھی نہ رکھیں گے نشان
خیر اس وقت سمجھئے گا جو مانگیں گے اماں
ہم کبھی بھی نہ کہیں گے کہ وہ ہیں شیر زیاں
پسر سعد پکارا کہ عیاں را چہ بیاں

جو میں کہتا ہوں وہ سچ ہے محل غور نہیں
یہ بھی حیدر کے نواسے ہیں کوئی اور نہیں

(۸۶)

جنگ اس وقت میں، اس سن میں، ہراک عقل ہے دنگ
آپڑے شیر سے خیمہ پہ یہ اب ہیں آہنگ
پہلے کچھ اور تھا، اس وقت ہے کچھ اور ہی رنگ
خیر بہتر ہے جو جانا ہے تو جاؤ پئے جنگ

تھیں ادھر تو یہی باتیں کہ دلیر آپہنچے
گرد تعظیم کو اٹھی کہ وہ شیر آپہنچے

(۸۷)

اعتبار سپہ شرتھے فسوں ساز یہ دو
اب تلک تھے دل دشمن میں نہاں راز یہ دو
ہو گئے بہر رجز آج ہم آواز یہ دو
لیکے تلواریں بڑھے تفرقہ انداز یہ دو

سرکشی دیکھ کے تلواروں کی چل نکلے ہیں
کھنچ کے زخموں سے انہیں تیغوں کے بل نکلے ہیں

(۸۸)

دونوں شہزادوں کا کچھ اور اُدھر تھا عالم
چھوٹا بھائی یہی کہتا تھا بڑے سے ہر دم
دل پریشاں ہے کہ اب فوجِ ستم رہ گئی کم
ایک سے آپ لڑیں شیر سے اور ایک سے ہم

موت کہتی ہے ہمیں ڈھونڈھنے میں کھو گئے ہیں
یہ تو بے تیغ لگائے ہوئے دو ہو گئے ہیں

(۸۹)

ہو گئی اپنی ظفر دل میں یہ ٹھانے رہے
جو خداداد ہے طاقت اسے مانے رہے
جم کے لڑ سکتے نہیں یہ اسے جانے رہے
ہاں پھر اب مثل علیٰ سینہ کو تانے رہے

ہم ذرا بھی ہوں ہراساں یہ ضرورت ہی نہیں
اس لڑائی میں سپر کی ہمیں حاجت ہی نہیں

(۹۰)

برچی اس طعن کی تھی قلب میں گڑنے کے لئے
گھات تھی شیر کے بچوں کو پکڑنے کے لئے
ایک حیلہ تھا مقدر کے بگڑنے کے لئے
آئے تھے حضرت عباسؓ سے لڑنے کے لئے

جس میں پھر جنگ کے فن شوق سے تعلیم کریں
مار لیں ان کو تو ماموں کو بھی تسلیم کریں

(۹۱)

دیر ہو جنگ میں تو پیاس کے صدمے سہنا
آنسوؤں کا ہمیں بھاتا نہیں پیہم بہنا
وقت آجائے رجز کا تو نہ چپکے رہنا
بڑے بھائی نے یہ چھوٹے سے کہا، کیا کہنا

لڑنے بچوں سے بڑے تجربہ کار آتے ہیں
ہاں تہہ دام کوئی دم میں شکار آتے ہیں

(۹۲)

اتنے میں آئے قریں وہ تو بڑھے یہ جرار
دو طرف گرم ہوا معرکہ گیر و دار
تیر برسانے لگے ان پہ جو وہ ظلم شعار
دونوں شہزادوں نے ہاتھوں میں سنبھالی تلوار

کچھ ہواک بھائی کے ہاں دوسرا بھی ساتھ رہے
ہاں قلم آج تو میدان ترے ہاتھ رہے

(۹۳)

ایک نے تیر اُدھر بڑھ کے کہاں میں جوڑا
اس طرف عونؓ دلاور نے اڑایا گھوڑا
بھائی کی وجہ سے اُس دوسرے سے منہ موڑا
ایک کو مار لیا ایک کو زندہ چھوڑا

کہتی تھی فتح و ظفر کیا مجھے پہچان نہیں
سچ اگر پوچھو تو ان دونوں میں اب جان نہیں

(۹۴)

خیر لڑنے کو بڑھا خاٹی و مکار و شریر
تیر خالی گیا پہلا تو لگائے کئی تیر
کار گر جب نہ ہوئے تو ہوئی حالت تغیر
اک اُدھر تیر لگایا کہ جدھر تھا وہ شریر

وہ بھی چلایا کہ بے پیر یہ کیا کرتا ہے
تیر اپنے کو لگاتا ہے خطا کرتا ہے

(۹۵)

اتفاقات سے تیر اس کے کلیجہ پہ پڑا
خود کہاں نے کہا چلا کے نہ تھی اس کی خطا
چھوٹے شہزادہ نے کچھ بڑھ کے ستمگر سے کہا
صید کا خون جو ہونشک تو پھر کیا ہے مزا

بے لڑے بھی کفِ افسوس شقی ملنے لگا
دل بھی رنموں کے چراغوں کی طرح جلنے لگا

(۹۶)

کہا بھائی سے کہ اب اس کی بھی شامت آئی
بے حواسی کی سزا بھی سرمیداں پائی
اک گھٹا غم کی دلِ عربدہ جو پرچھائی
مر گیا یونہی تو میں کس سے لڑوں گا بھائی

آپ خود بڑھ کے ذرا داد و غا دے دیجے
اس کو اُس تیر لگانے کی سزا دے دیجے

(۹۷)

ہو کے نادم ستم ایجاد بڑھا تیغ بکف
ہاتھ جوڑے جو نگہ اٹھ گئی سائے کی طرف
کرچکا سینہ ظالم کو جو بیکار ہدف
پھر بڑھا سوئے دل و جان شہنشاہ نجف

رشتہ یاس و امید آچکے دل ٹوٹ گیا
ہاتھ خالی جو گیا گرز گراں چھوٹ گیا

(۹۸)

اب یہ سوچا کہ ظفران پہ بہت مشکل ہے
کچھ ہو پھر بھاگنے پر طبع حزیں مائل ہے
زیر لب کہنے لگا جنگ سے کیا حاصل ہے
اس طرف جاؤں گا جس سمت کو راغب دل ہے

کوششیں کوئی بھی کرتا ہے برائی کے لئے
جان دے دیتا ہے کیا کوئی لڑائی کے لئے

(۹۹)

غول کہتے تھے کہ اب بڑھ کے کوئی وار لگا
ہاتھ پورا کوئی او ظالم و مکار لگا
کیا یوں نہیں زرکا ترے واسطے انبار لگا
خیر، یا روک شقی یا کوئی تلوار لگا

کہا تلوار ہے مجبور سپر عاجز ہے
دونوں باتیں یہ وہی ہیں کہ بشر عاجز ہے

(۱۰۰)

کھینچ گئی میان سے دوست کو آخر تلوار
آخری جنگ تھی آفت کے چلے وار پہ وار
تھی سپر اُس کے کلیجہ کی طرح اس کے فگار
اب تو پہلے سے بھی کچھ بڑھ کے ہوئی یہ پیکار

اور پچھتا تا تھا جب منہ پہ سپر لاتا تھا
دھوپ چھن چھن کے جو آتی تھی جلا جاتا تھا

(۱۰۱)

کچھ کمی کرتا تھا مڑنے میں جو گھوڑا ہر بار
گر کے یا کود کے پیدل ہوا وہ ظلم شعار
دوسرے نے کہا اس فہم پہ اللہ کی مار
اب کھلا تو کبھی گھوڑے پہ ہوا تھا نہ سوار

جس کا مشتاق ہے عالم وہ سواری آئے
کہیں پر جگ کے دیروں کی بھی باری آئے

(۱۰۲)

کہا اس رخس پہ اب خون تمنا ہوتا
اور عالم کی نگاہوں میں میں رسوا ہوتا
فوج سب دیکھتی ذلت کو تو چرچا ہوتا
دم نکل جاتا جو گھوڑے پہ تو پھر کیا ہوتا

تجھ پہ کھل جائے گا جو قصد کئے اتر اہوں
میں اسی خاک میں ملنے کے لئے اتر اہوں

(۱۰۳)

بڑھ کے نوشاہ یہ کہتے تھے کہ ماشاء اللہ
دیکھو اب بھاگنے کی دو ستم آرا کو نہ راہ
خوب حیدر کے گھرانے سے یہ سب ہیں آگاہ
جا کے خیمے میں چھپے گا یہی کہتی ہے نگاہ

یوں بھی سرکش کو ذرا سر نہ اٹھانے دینا
بھائی! یہ بھاگ کے جائے تو نہ جانے دینا

(۱۰۴)

خوش نہی عمو کو پسند آئی تمہاری پیکار
تولے رہنا یونہی حیدر کی طرح سے تلوار
اس کے تیور سے عیاں ہے کہ یہ پھر ہوگا سوار
ہے یہ موقع، یونہیں دوڑا دوستی پر رہوار

جا کے دوزخ میں بھی کم بخت ذرا یاد کریں
ہڈیاں چور ہوں اس طرح، کہ فریاد کریں

(۱۰۵)

پھنک رہا تھا جو ادھر پیاس کی شدت سے جگر
دیر ہونے سے سپینے میں تھی پوشاک بھی تر
یک بیک عون دلاور بڑھے مثل حیدر
ہاتھ اک ایسا لگایا کہ ہوا دو خودسر

ہنس کے شہ نے کہا اک قہقہہ دیوار گری
اس طرف ڈھال ادھر ہاتھ سے تلوار گری

(۱۰۶)

چھوٹے شہزادہ کا بچپن ادھر تھا رہوار
میان سے اُگلی ہی پڑتی تھی جری کی تلوار
بے اجازت لئے بھائی سے بڑھا یہ جرار
شیر کو تاب کہاں سامنے ہو جب کہ شکار

رخش کے پائے حنائی سے زمیں لال ہوئی
لاش پہلے کی یونہی مفت میں پامال ہوئی

(۱۰۷)

ایک ہی ہاتھ میں دو ہو جو گیا تھا سر ہنگ
دیکھوں ہاتھوں کی صفائی کو، ہوا یہ آہنگ
تھا اسی ہاتھ کا اس سینہ پہ اک زخم خدنگ
خون ٹپکا تو ملا خوں میں، ہوا اور ہی رنگ

کوئی ارمان نکلتا ہے جو دل جاتا ہے
اب کھلا خون پس مرگ بھی مل جاتا ہے

(۱۰۸)

سرجھکائے ہوئے وہ محو تیر تھا ادھر
تبغ شہزادہ عالم نے لگائی سر پر
ہاتھ پورا جو پڑا ہو گیا دو بانی شر
موت چلائی کی اس دن کی نہ تھی ہم کو خبر

سچ ہے ساتھی کا بڑا رنج سہا تھا ظالم
یہ وہی ہاتھ ہے جو دیکھ رہا تھا ظالم

(۱۰۹)

دل میں ظالم کے یونہی حسرت پیکار رہی
جان جب تک رہی کمبخت یہ دشوار رہی
روح بھی درد مصیبت میں گرفتار رہی
جب تلک دم رہا کچھ ہاتھ میں تلوار رہی

خوں بھرے ہاتھ میں تلوار ادھر باقی تھی
اس طرف نصف کے حصہ میں سپر باقی تھی

(۱۱۰)

دم نکلنے کی اذیت میں جو تڑپا دل زار
ہاتھ اٹھے تو نجل اور ہوا ظلم شعار
کھینچ کے دوبار پڑی اس کی سپر پر تلوار
لوگ کہتے تھے کہ اب ہے یہ لڑائی بیکار

کیا تڑپ ہے کہ کسی چاہ نہ لاشا ٹھیرا
رقص بسل ترے باعث سے تماشا ٹھیرا

(۱۱۱)

ساقیا دیر ہوئی اب مرے اعضا ہیں نڈھال
میرے دئے جا مجھے تا خوب کہوں جنگ کا حال
ہاتھ بیکار یونہی گردن مینا میں نہ ڈال
خیر اچھی کہ بری جو ہو وہ شیشہ سے نکال

ایک حسرت ابھی باقی دل مے نوش میں ہے
میری ہر رگ کو جو توڑے وہ لہو جوش میں ہے

(۱۱۲)

ٹھوکریں کھاتا ہے جو پاس وہ ساغر رکھ لے
آج کے دن تو ہراک کا دل مضطر رکھ لے
خم بھی پہلو میں نئے ساقی کوثر رکھ لے
ٹوٹے دل کو مرے شیشہ کے برابر رکھ لے

پہلے تو مجھ کو نہ تھی تجھ سے محبت ایسی
اتفاقات سے مل جاتی ہے صحبت ایسی

(۱۱۳)

حرف مطلب کو زباں تک تو ذرا لانے دے
میکدے میں نہ کسی غیر کو تو آنے دے
یہی شیشے لئے جنت کی طرف جانے دے
دونوں ہاتھوں کی کشش بڑھ گئی پیمانے دے

بند کوزے میں کسی طرح نہ دریا ہوگا
سانس لینے میں جو کھینچ آئے تو پھر کیا ہوگا

(۱۱۴)

ہو نہ جائے سبب اشک فشانہ شیشہ
بھر کے دیتا ہے مرے دل پہ گرانی شیشہ
دیکھ لے خود کہ صفائی میں ہے پانی شیشہ
خیر دیتا ہے تو دے دے مجھے دھانی شیشہ

تابہ لب کھینچ کے ذرا پھر دل زار آنے دے
چمن آرزوئے دل میں بہار آنے دے

(۱۱۵)

ابھی پنہاں ہے نگاہوں سے وہ دُرِ نایاب
رایگاں ہو گیا کچھ مانگنے میں عہد شباب
خاتمے کا ہے یہ مصرع کہ نہیں اب مجھے تاب
جان میری ہے جسے کہتے ہیں سب روح شراب

دل بھرا آتا ہے اب جام مجھے دے بھر کے
خیر تو یہ ہوئی تو بہ کا تصور کر کے

(۱۱۶)

کام تجھ سے ہے مجھے بحث نہیں اوروں سے
مجھ کو کیا کام جو چھن جاتے ہیں ان کے اُن کے
یہ مناسب ہے کہ اب تو بھی دعا میری لے
خیر دیتا ہے تو چھلکا کے مجھے جام تو دے

کروٹیں کرب میں اوروں کو بدلنے دیتا
میری آنکھوں کے نہ پیمانے ایلنے دیتا

(۱۱۷)

ہاں صلہ نظم کا خود حیدر صفر دیں گے
قابل دید جو ہے خلد میں وہ گھر دیں گے
جام جب دیں گے مجھے اس سے بھی بہتر دیں گے
تو نہ دے ضد سے، ترے ساقی کوثر دیں گے

میکدہ ہے یہ وہی جس میں ترا دور نہیں
دونوں یہ ان کے نواسے ہیں کوئی اور نہیں

(۱۱۸)

پھر چلے فوج پہ تنٹے ہوئے دونوں بھائی
ہر جفا کار و ستمگر کی قضا پھر آئی
نیچوں سے نہ اماں اہل ستم نے پائی
چھوٹا کہتا تھا کہ بھائی یہ لڑائی بھائی

ہاں ابھی اور بھی اک تازہ ہوا ہے سر میں
سربن سعد کا اب لے کے چلیں گے گھر میں

(۱۱۹)

ہاتھ تلواروں پہ ہیں اور ہیں بل ابرو پر
نصرت شاہ پہ یہ صبح سے باندھیں ہیں کمر
آستیں چیں بہ جبین چڑھکے جو آتی ہیں نظر
غیظ سے دیکھتے ہیں فوج کو مثل حیدر

زیب یہ شان ہے بس ان کے گھرانے کے لئے
سب یہ سامان ہیں کس خیمہ پہ جانے کے لئے

(۱۲۰)

نوبت آئی ہے جو پھر خون میں بھر جانے کی
ضد ہے ان نیچوں کو دل سے گزر جانے کی
ہے ہوس اس کو ادھر اور ادھر جانے کی
عید ہے اُن کو ستمگاہوں کے مرجانے کی

غیچہ حسرت و امید دلی کھلنے لگے
نیچے دونوں خود آپس میں گلے ملنے لگے

(۱۲۱)

چھوٹا کہتا تھا کہ ہم تو نہ ڈریں گے بھائی
ہم بن سعد کو پامال کریں گے بھائی
خون میں کہنیوں تک ہاتھ بھریں گے بھائی
مار کر فوج کے افسر کو مریں گے بھائی

دھاریں اٹھ اٹھ کے گلے آج ملیں دھاروں سے
آگ خیمہ میں لگا دیں انہیں تلواروں سے

(۱۲۲)

رہ گئی کم پسر سعد ستمگر کی حیات
اب بنائے سے بھی بنتی نہیں کوئی اُسے بات
زندگانی میں نہ اب دن کوئی باقی ہے نہ رات
دیکھ لو خون کا دریا ہے رواں تابہ فرات

جو ہمیشہ سے ہے ان بودوں کی خوشحالی
ہم تو خیمے کو حباب لب جو سمجھے ہیں

(۱۲۳)

ہاتھ علموں سے علمدار اٹھائے ہوئے ہیں
لشکر روم ورے و شام بھگائے ہوئے ہیں
کیوں نہ اس طرح لڑیں، کس کے سکھائے ہوئے ہیں
جتنے زندہ ہیں، وہ دم اپنے چرائے ہوئے ہیں

غل ہے چپکے رہو، شیروں کا یہی پیشہ ہے
سانس لینے میں، اجل کا ہمیں اندیشہ ہے

(۱۲۴)

نخوت و کبر کے بادل سے نہ سرشار رہو
تینیں کھینچے ہوئے آمادہ پیکار رہو
موت غفلت میں نہ آئے کہیں، ہشیار رہو
ارے! یہ شیر کے بچے ہیں، خبردار رہو

مصلحت یہ ہے کہ دامن کو سمیٹے رہنا
ہے مناسب کہ پھیریوں کو لپیٹے رہنا

(۱۲۵)

نیچے نام دلیروں کے مٹا دیتے ہیں
شعلہ افشائیاں بھی اپنی دکھا دیتے ہیں
کوئی کیا جانے کہ کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں
جس طرف جاتے ہیں یہ آگ لگا دیتے ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ غصہ سے برے حال ہوئے
ہم سمجھتے ہیں کہ جلنے سے علم لال ہوئے

(۱۲۶)

دور سے دیکھ کے بچوں کو علم لرزاں ہیں
صورت آئینہ حیرت سے وہ سب حیراں ہیں
جنگ خیر کے نمودار یہ سب ساماں ہیں
اور سب روتے ہیں کچھ زخم فقط خنداں ہیں

دیکھ کر بچوں کو سب حوصلے گھٹ جاتے ہیں
ڈر کے چوبوں سے پھریرے بھی لپٹ جاتے ہیں

(۱۲۷)

فوج کا جل کے رہے گا نہ کہیں نام و نشان
نیچے کہتے ہیں دو بجلیاں گرتی ہیں کہاں
جل گئے نکلے پھیریوں کے، اڑے بنکے دھواں
اونچے ہونے پہ ہوا ابر کے لکڑوں کا گماں

صورت نام و نشان ولولہ دل نہ رہے
اب تو چوبوں میں لپٹنے کے بھی قابل نہ رہے

(۱۲۸)

جنگ سے ان کی پریشان وہ مردود ہوئے
دل جو ٹوٹے تو پرے باندھنا بے سود ہوئے
امر راحت کے پسینے سے جو مفقود ہوئے
سایہ کرنے کو علم دھوپ میں موجود ہوئے

ہر قدم شوق سے یہ داد وغا دیتے ہیں
انہیں علموں کے پھریرے بھی ہوا دیتے ہیں

(۱۲۹)

رشیہ تیغ نے گویا لب گفتار سیئے
جس سے ٹکڑے ہوئے دل فوج کے چرکے وہ دئے
دونوں بچوں نے جوانوں سے سوا کام کئے
کہہ کے یا حضرت عباسؑ، علم چھین لئے

کہا عباسؑ نے جس وقت خبردار ہوئے
ہم نے بھی دیکھ لیا آپ علمدار ہوئے

(۱۳۰)

اے مرے لال مرے دل کے بڑھانے والے
کیوں نہ غالب رہیں حیدرؑ کے گھرانے والے
سامنے پھر کے شقی اب نہیں آنے والے
بھاگنے کے لئے یہ، تم ہو بھاگانے والے

صف سے اکبرؑ نہ بڑھے اور نہ ابھی ہم نکلے
اس لڑائی میں تمہیں سب سے مقدم نکلے

(۱۳۱)

لشکر شر کو یونہیں زیروزبر رہنے دو
آستینوں کو بس اب خون میں تر رہنے دو
ہاتھوں میں نیچے شانوں پہ سپر رہنے دو
جتنے باقی ہیں وہ جبریل کے پر رہنے دو

سب پہ غالب جو رہے جنگ میں ہیں ساتھ وہی
تم وہی، شان وہی، تیغ وہی، ہاتھ وہی

(۱۳۲)

رایت فوج کو لے آئے جو خیمے کے قریں
مسکرا نے لگے کچھ سوچ کے خود سرور دیں
کہا عباسؑ نے اکبرؑ سے کہ اے ماہ جبین
ان کا عالم میں نظیر آج نہیں مثل نہیں

آج اس طرح لگائے کئی تلوار کے ہاتھ
آگئے یاد مجھے حیدر کرارؑ کے ہاتھ

(۱۳۳)

دوست ہنستے تھے پریشان و ہراساں تھے عدو
کہیں وہ جاتی ہے، جوشیر کے بچوں کی ہونو
ہنس دیئے ذہن میں جب آگئے یہ بھی پہلو
اُن پھیریوں میں جو پہنچا بھی تو تیغوں کا لہو

شاعر تیز طبیعت ہو تو یہ بھی کہہ جائے
اُن میں تاحشر یہ مطلب تھا کہ دھبارہ جائے

(۱۳۴)

دی ادھر خیمہ میں فضہؑ نے یہ زینبؑ کو خبر
دیکھنے پاس چلے آئے ہیں حضرت کے پسر
تھے علم چھیننے میں صاف علیؑ کے تیور
ہنس کے فرمایا یہ کہہ دے کہ میں صدقے تم پر

ہم شکایت کے سخن لب پہ نہ لائیں داری
جس طرح آئے علم لاشیں بھی آئیں داری

(۱۳۵)

کہا چھوٹے نے کہ اب پیاس سے پھکتا ہے جگر
عونؑ بولے کہ نہ کرنا ابھی دریا پہ نظر
کہا چھوٹے نے کہ آنکھیں تو ہیں اشکوں سے تر
کہا اس کی بھی تو ہو جائیگی اماں کو خبر

ہم جو بڑھ بڑھ کے لڑیں گے بھی تو صحرا کی طرف
مرتے مرتے بھی تو دیکھیں گے نہ دریا کی طرف

(۱۳۶)

جنگ وہ کی دل زینبؓ بھی ہوا جس سے شاد
یاد عالم کو رہا آخری بچوں کا جہاد
خوب برآئی اسی جنگ کے پردے میں مراد
جنگ خیبر کی طرح آئے گی یہ جنگ بھی یاد

سرد آئیں گی ہوائیں لب جو ہو ہو کر
پانی ان تینوں سے برسے گا لہو ہو ہو کر

(۱۳۷)

سچ تو ہے پہلے پہل خوب لڑے یہ ذبیحہ
مثل حیدرؓ ہے جہاں ان کی شجاعت پہ گواہ
جس میں پہلو ہے نظر کا، وہ رہے دور نگاہ
آئی آواز یہ حیدرؓ کی کہ ماشاء اللہ

خیر کچھ حسب عمل رخس پہ بھی جھوم لئے
ہاتھ اس بھائی کے اُس بھائی نے بھی چوم لئے

(۱۳۸)

نہ سوار آج کوئی اور نہ پیادہ ٹھیرا
دفتر جرات و ہمت بھی نہ سادہ ٹھیرا
اس سے بھی آج قوی اُن کا ارادہ ٹھیرا
غیظ چھوٹے کا بڑے سے بھی زیادہ ٹھیرا

مثل عباسؓ کے سب ماہ جیں اٹھ بیٹھے
یا علیؓ کہتے ہوئے خسرو دیں اٹھ بیٹھے

(۱۳۹)

پھر رواں جنگ کو کس شوق میں جاں باز ہوئے
ان تھکے ہاتھوں کی قوت پہ بڑے ناز ہوئے
سُن لی تعریف تو کچھ اور بھی انداز ہوئے
بہر تسلیم جھکے سر تو سرفراز ہوئے

جا پڑے فوج پہ پھریوں کہ پرے پھٹنے لگے
تھے جو سرکش انہیں جلا دوں کے سر کٹنے لگے

(۱۴۰)

پیاس میں حد سے زیادہ جو رہے محو جدال
بڑھ گیا ضعف، گھٹا زور، ہوئے دل بھی نڈھال
ہاتھ رکنا تھا کہ پھر آگئے سب ظلم خصال
پڑیں تلواریں کچھ اتنی کہ عجب ہو گیا حال

زخم کھا کر بھی نہ بیتاب نہ بے ہوش ہوئے
خشک ہونٹوں پہ زباں پھیر کے خاموش ہوئے

(۱۴۱)

سرکشوں سے نہ دبے یہ نہ نموداروں سے
حکم ہر اک کو پہنچنے لگا سرداروں سے
ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تن ظلم کی تلواروں سے
پیاس ظاہر ہوئی تھی چاند سے رخساروں سے

ابھی چھوٹے نے کیا رخ نہ ترائی کی طرف
سرد اک آہ بھری دیکھ کے بھائی کی طرف

(۱۴۲)

گھر گئے ظلم کی فوجوں میں جو وہ رشکِ قمر
کہا فضلہؓ نے کہ ہے ہے مری بی بی کے پسر
دم بھی لینے کی روادار نہ تھی فوجِ عمر
کبھی تلواریں پڑی ان پہ، کبھی گرز و تبر

تن سے فوارہ صفت خو کی رواں دھاریں تھیں
زخم بھی اتنے ہی تھے جتنی کہ تلواریں تھیں

(۱۴۳)

کوئی اس وقت بھی آسکتا نہ تھا رعب سے پاس
ختم تھے گو وہ، مگر اس وقت بھی باقی تھے حواس
زخمی ہونے سے نہ مرجانے سے تھا ان کو ہر اس
جلد دنیا سے چلو کہہ رہی تھی بڑھ کے یہ پیاس

ان کو جز شکر خدا اور کوئی کام نہ تھا
جسمِ نازک میں کہیں خون کا بھی نام نہ تھا

(151)

مغربی موصل کا باخیرہ گاؤں داعش کے ناپاک وجود سے پاک

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کی رپورٹ کے مطابق عراقی فورسز نے موصل کے مغربی علاقہ کو وہابی دہشت گردوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کے لئے آپریشن کا آغاز کر دیا ہے۔ عراقی فورسز نے مغربی موصل کے پہلے گاؤں کو داعش کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق عراقی فورسز نے موصل کے مغرب میں واقع باخیرہ گاؤں کو داعش کے قبضہ سے چھڑا لیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق عراقی وزیراعظم حیدر العبادی نے مغربی موصل کو آزاد کرانے کا فرمان صادر کر دیا ہے۔ حیدر العبادی نے کہا ہے کہ انسانوں کی وہابی وحشی درندوں سے آزادی ہر آزادی پر مقدم ہے۔ اطلاعات کے مطابق ایک ماہ قبل عراقی فورسز نے مشرقی موصل کو وہابی دہشت گرد تنظیم داعش کے ناپاک وجود سے پاک کر لیا تھا۔ بہت سے دہشت گرد مشرقی موصل سے مغربی موصل فرار ہو گئے تھے۔

غاصب صہیونیت سے ہماری جنگ ہمیشہ جاری رہے گی: لبنان کے سنی عالم دین

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کے مطابق لبنان کی علمائے استقامت یونین کے سربراہ شیخ ماہر محمود نے اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ غاصب صہیونیت سے ہماری جنگ ہمیشہ باقی رہے گی کہا کہ عرب حکمرانوں کی جانب سے صہیونی دشمنوں سے دوستانہ تعلقات بڑھائے جانے کے باوجود ہم ان سے برسر پیکار رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ حتیٰ اگر فلسطین کے معاملے میں عرب حکمرانوں میں 90 فی صد مایوسی بھی چھائی ہو تو بھی صہیونیوں سے مقابلہ کی سیاست میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی اور دن بہ دن اس مسئلہ میں تیزی آتی جائے گی۔ انہوں نے صہیونی دشمن سے مقابلہ استقامت کا ایک طے شدہ معاملہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ حزب اللہ لبنان کے جنرل سکرٹری سید حسن نصر اللہ کا بیان ہمارے اس بیان کی تائید ہے۔

علمائے استقامت یونین کے سربراہ نے سید حسن نصر اللہ کی قدردانی کرتے ہوئے کہا کہ حزب اللہ لبنان کے جنرل سکرٹری اس ملک میں میڈیکل، مالی اور انتظامی بدعنوانیوں کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہیں اور غاصب صہیونیت کے مشرق سے لیسکر مغرب تک فوجی اور مالی امکانات جس کے اختیار میں ہیں اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

داعش کے دہشتگرد ایران میں دراندازی کرنے میں ناکام

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کے مطابق تہران میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے بریگیڈیئر جنرل محمد پاکپور نے کہا کہ سرحدی استحکام کی وجہ سے ایم کے او اور داعش کے دہشت گرد ایران میں دراندازی کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلح افواج پوری طرح ہوشیار ہیں اور اب تک دہشت گردوں کے متعدد اقدامات کو ناکام، ان کی ٹولیوں کو نابود اور بہت سے عناصر کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کے کمانڈر نے کہا کہ ہماری عظیم فوج کے جوان دشمن کی نقل و حرکت پر پوری نظر رکھے ہوئے ہیں اور کسی کو بھی ایران کی سرحدوں کے قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ عالمی سامراجی طاقتیں خطے میں بد امنی پھیلا کر ایران کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں لیکن مسلح افواج کی چوکی کی وجہ سے وہ اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔

